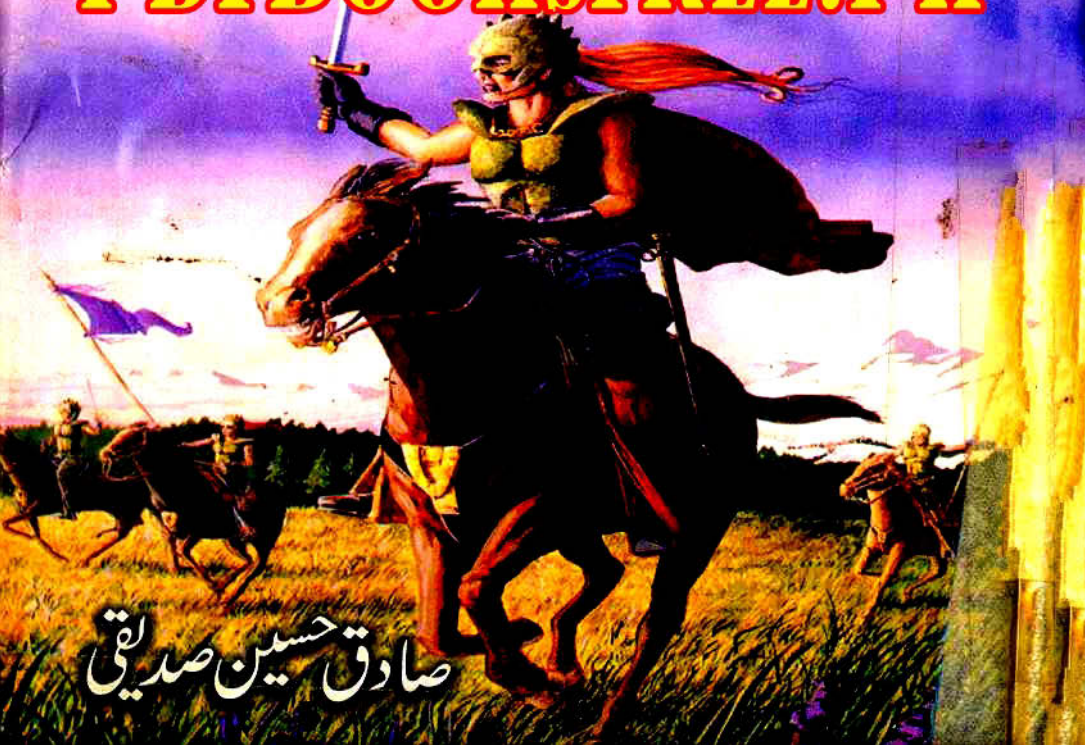


بہادر دوستیزد



PDFBOOKSFREE.PK



صادق حسین صدیقی

مؤرخ اسلام مولانا صادق حسین صدیقی کا اسلامی تاریخی ناول

بہادر دوشیزہ

تاریخ اسلام، ملک سے زیادہ حیرت انگیز معرکہ کفر و اسلام
بے پناہ لشکر کفار کے سامنے قلیل مٹھی بھر مسلمانوں کی بے نظیر
شجاعانہ جنگ، خواتین کا خیموں کی میخیں اکھاڑ اکھاڑ کر عیسائیوں
پر حملہ کر دینا، انہیں پسپا کر کے بھگانا۔ غرض کہ یہ ناول عجیب
سنسن خیز واقعات سے پر ہے۔

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

یورپ

دو پہر کا وقت تھا آفتاب نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا چمک رہا تھا دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ریگزار کے ذرے شعا میں پڑنے سے اس قدر جگمگا رہے تھے کہ ان کی طرف آنکھ بھر کر نہ دیکھا جاتا تھا۔

ہوا بالکل بند تھی اور اس وجہ سے گرمی کسی قدر بڑھ گئی تھی۔

اس وقت اس راستہ پر جو اجنادین سے دمشق کو گیا ہے عربی لوگ ٹھہرے ہوئے تھے ان کی شان بہت ہی تھی کہ وہ سفر کر رہے ہیں اور راہ کا کسل دور کرنے یا کھانا کھانے کے لئے کچھ دیر کے واسطے ٹھہر گئے ہیں۔

ان عربوں کی تعداد ایک ہزار تھی دراصل یہ اس بڑے لشکر کا کچھ حصہ تھا جو اجنادین کی طرف گیا تھا ان ایک ہزار عربوں کے سردار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تھے جو عورتوں اور بچوں کو حفاظت و آرام سے اجنادین کی طرف لئے جا رہے تھے۔

ہم ۳۱؎ کے واقعات قلمبند کر رہے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ تھے اور ملک شام میں عیسائیوں کی زبردست حکومت تھی۔ دنیا کی ہر سلطنت ان سے ڈرتی تھی اور اس کی عظمت و جبروت کی قائل تھی۔ عیسائیوں کا بادشاہ ہرقلؒ تھا۔ اس کے دبہ سے دنیا جہان کے بادشاہ تھرتے تھے۔

اس بادشاہ نے مسلمانوں کے ایک قاصد کو قتل کر دیا تھا اور مسلمان اس کا انتقام لینے

ان سے کچھ فاصلہ پر ایک ہزار مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے اور وہ بھی کھانا تیار کر رہے تھے۔ چونکہ اس میدان یا ٹیلوں کے اوپر درخت نہ تھے نہ مسلمانوں نے یہیں نصب کئے تھے اس لئے یہ سب لوگ دھوپ ہی میں ٹھہرے ہوئے کام کر رہے تھے۔

عورتوں میں کم سن لڑکیاں، نوٹروڈ شیرائیں، جوان عورتیں اور سن بیسیاں تھیں۔ ان میں قابل ذکر عورتیں یہ تھیں۔ ام تمیم حضرت خالدؓ کی بیوی تھیں۔ نہایت بہادر تھیں عقیقہ بنت عمار تھیں۔ جن کی دلیری کی شہرت تھی۔ یہ دونوں جوان تھیں اور اکثر لڑائیوں میں شریک ہو چکی تھیں۔

سلمیٰ بنت نعمان، یعنی بنت سوار دونوں بہادر تھیں اور جوان تھیں۔

لیکن ام ابانؓ اور خولہؓ یہ دونوں کم سن، خوب صورت اور پر جوش تھیں۔ ان میں خولہ اور اس کی بیٹی اور مزار کی بہن تھیں۔ مزار بڑے بہادر پر جوش اور مجاہد تھے۔ وہ زیادہ تر تنگ بدن صرف ایک تہہ بند باندھ کر ننگے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر صرف نیزے سے لڑا کرتے تھے۔ دوسرے ام ابانؓ عقیقہ کی بیٹی تھیں۔ نہایت ہی حسین، دلیر اور جوشیلی تھیں۔ ان میں عمر کے تقاضا کی وجہ سے شوخی بھی تھی۔

اس وقت ام ابانؓ ایک ٹیلہ کے نیچے بیٹھی تھی۔ ان کے سامنے دو بچے کھیل رہے تھے وہ انہیں دوڑا رہی تھیں۔

ان کے چاند سے زیادہ روشن چہرہ پر آفتاب کی شعاعیں لوٹ رہی تھیں جن سے ان کی صورت آفتاب ہی کی طرح جگمگانے لگی تھی۔ وہ بچوں کو دوڑتا اور ہنستا ہوا دیکھ دیکھ کر خود بھی ہنس رہی تھیں اور ہنسنے سے ان کا چہرہ بالکل گلاب کے پھول کی طرح سرخ و سفید ہو رہا تھا اور ان کی بڑی بڑی رشک غزال عین آنکھیں جوش مسرت سے چمک رہی تھیں ان کے گیسوؤں کی بڑی بڑی دو ٹیسیں سینہ کے دونوں طرف گدھی ہوئی پڑی تھیں۔ لیکن کچھ گستاخ بال ان چوٹیوں میں سے نکل نکل کر گوری پیشانی اور پھول سے عارض پر بکھر گئے تھے جو نہایت ہی بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے لب پتلے اور سرخ تھے۔ موہن پھوٹا اور دل فریب تھا۔ دانتوں کی تینسی آبدار موتیوں کی طرح تھی۔ ٹھوڑی گول اور بڑی خوبصورت تھی۔

کے لئے اس کے ملک پر حملہ آور ہوئے تھے۔

انہوں نے ملک شام میں داخل ہو کر ہر کہ، تدمر، حوران اور بصرہ کو فتح کر لیا تھا اور دمشق کا محاصرہ بھی کر لیا تھا۔ اس وقت دمشق میں دو عیسائی حکمران تھے۔ ان میں سے ایک کا نام بولص اور دوسرے کا نام بطرس تھا۔

اول تو دمشق کا قلعہ ہی نہایت مضبوط اور وسیع تھا۔ دوسرے اس میں عیسائیوں کا لشکر بے شمار تھا اس لئے جلد فتح نہ ہو سکا۔

جب کہ مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ہر قل نے نوے ہزار کا لشکر مسلمانوں کو کھل ڈالنے کیلئے ایک مشہور سردار وردان کی سرکردگی میں روانہ کیا وہ اجنادین کے وسیع میدان میں آ کر ٹھہر گیا۔

مسلمانوں کو اس عظیم الشان لشکر کے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ چونکہ انہیں اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں وردان کا لشکر بڑھ کر دمشق نہ آجائے اور دمشق والوں سے مل کر ان کی قوت اور نہ بڑھ بڑھ جائے۔ اس لئے انہوں نے دمشق سے محاصرہ اٹھایا تھا۔ اور وردان کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے اجنادین کی طرف کوچ کر دیا تھا۔

مسلمانوں کے لشکر کی تعداد صرف ۲۷ ہزار تھی۔ اس تمام لشکر کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے۔ ان کی بہادری ضرب المثل تھی۔ عیسائیوں پر ان کا اس قدر عجب طاری ہو چکا تھا کہ ان کا نام سن کر ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا۔

خالد بن الولید اسلامی لشکر کے اجنادین کی طرف روانہ ہو گئے تھے اور ابو عبیدہؓ کو ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ اس لئے پیچھے چھوڑ گئے تھے کہ وہ عورتوں اور بچوں کو آرام و اطمینان سے لے کر چلے آئیں۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ نہراستراق کو عبور کر کے ایک ایسے میدان میں ٹھہر گئے تھے جس میں کثرت سے اپنے اپنے ٹیلے موجود تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ ٹھوڑی دیر عورتیں اور بچے آرام کر لیں تو وہ آگے بڑھیں۔ ٹیلوں کی کثرت نے اس میدان کو بالکل پہاڑی درے اور گھاٹیاں بنا دیا تھا۔ عورتیں اور بچے چند ٹیلوں کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے۔ عورتیں کھانا تیار کر رہی تھیں اور بچے ٹیلوں پر چڑھ چڑھ کر پھسلنے کا شغل کر رہے تھے۔

وہ نمونہ تھیں حسن و خوب صورتی کا۔ شاید قدرت نے حوروں جیسا نقشہ عطا فرما کر انہیں حسن کا مجسمہ بنا دیا تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ تفریح کر رہی تھیں۔ کہ کسی نے پیچھے سے آکر ان کی ہوش ربا آنکھیں اپنے ہاتھوں سے ڈھک لیں۔ وہ کچھ گھبرا گئیں اور انہوں نے جلدی سے ہاتھ ہٹا کر گھوم کر دیکھا ایک نوجوان کھڑے مسکرا رہے تھے۔

ام ابان انہیں دیکھ کر شرمگئیں۔ انہوں نے جیسا پروردگار اندامیں مسکراتے ہوئے کہا ”اچھا آپ ہیں ابن سعید! خوب۔ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔“

یہ ابن سعید بھی نہایت پرچوش مجاہد تھے۔ نہایت حسین تھے، ام ابان ہی کے قبیلہ سے تھے۔ انہوں نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا ”تم ڈر گئی تھیں ام ابان۔“

ام ابان:۔ جی ہاں! یہ آپ کو سوچھی کیا؟

ابن سعید: محض بیوقوفی۔ مگر.....

ام ابان نے اپنی ہوش ربا نگاہیں ان کے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا ”مگر کیا؟“

ابن سعید کچھ مجنوں سے ہو کر ان کی نشیلی آنکھوں کو دیکھنے لگے۔

ام ابان نے قدرے مسکرا کر کہا ”کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟“

ابن سعید: اگر خفا نہ ہوں تو عرض کروں۔

ام ابان: میں خفا کیوں ہونے لگی۔

ابن سعید: میں تمہاری ان حسین آنکھوں کو دیکھ رہا ہوں جنہوں نے مجھے غمور اور دیوانہ

بنا رکھا ہے۔

ام ابان کچھ برسم ہو گئیں۔ انہوں نے کہا ”آپ مجھے بدنام کرنے پر تیار گئے ہیں۔“

ابن سعید انہیں ناخوش دیکھ کر ڈر گئے انہوں نے بڑی عاجزی سے کہا ”معاف کر دو

ام ابان بعض وقت مجھ سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔“

یا تو ام ابان خفا ہو رہی تھیں یا ابن سعید کی بات سن کر مسکرا نے لگیں۔

ان کا تبسم بچلیاں گرا نے لگا۔ اتفاق سے اس وقت ان کے خوب صورت سر سے

دوپٹہ کا آنچل کھسک کر پشت کی طرف جا پڑا اور سیاہ گیسو کالی گٹھا کی طرح نظر آنے لگے۔

ابن سعید عجیب عجیب نگاہوں سے کبھی بالوں کو، کبھی پیشانی کو، کبھی رخساروں کو، کبھی آنکھوں کو اور کبھی ان دلفریب ہونٹوں کو جن پر ہار کا تبسم کھیل رہا تھا، دیکھ رہے تھے۔

ام ابان نے کہا ”آپ سے غلطی کیوں ہو جاتی ہے؟“

ابن سعید ان کا سراپا دیکھنے میں کچھ ایسے مست دبے خود ہو رہے تھے کہ انہوں نے ام ابان کی بات سنی ہی نہیں۔

کچھ دیر انتظار کر کے ام ابان نے کہا ”آپ بولتے ہیں۔“

ابن سعید کو اب بھی خبر نہیں ہوئی وہ برابر ام ابان کا رخ دیکھنے میں غور ہو رہے تھے

ام ابان کا خیال ہوا کہ وہ اس کی بات کا جواب دینا نہیں چاہتے۔ بھلا حسن جو ناز

کے لئے پیدا ہوا ہو کیوں ناخوش نہ ہو جاتا۔ وہ بگڑ گئیں۔ انہوں نے کہا ”کیا گوشت

کا گڑ کھالیا ہے آپ نے؟“

اب ابن سعید چونکے۔ مگر اب بھی وہ سمجھے نہیں کہ ام ابان نے کیا کہا۔

انہوں نے دریافت کیا ”کیا کچھ مجھ سے فرمایا جا رہا ہے؟“

ام ابان پہلے ہی سے بگڑ رہی تھیں۔ اب اور بھی خفا ہو گئیں۔ انہوں نے ناز سے

بل کھا کر کہا ”تمہیں میں ریگ زار کے ذروں میں مغز کی کمر رہی ہوں۔“

اب ابن سعید بالکل اپنے حواس میں آچکے تھے۔ وہ انہیں خفا دیکھ کر ڈر گئے۔

انہوں نے کہا ”آج بات بات پر خفگی کیوں ہو رہی ہے؟“

ام ابان ان لڑکوں کی طرف مخاطب ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے ایسا طرز اختیار کر لیا گویا

ابن سعید کی بات سنی ہی نہیں۔

ابن سعید نے ذرا ان کی طرف کھنک کر کہا ”کیوں خفا ہو گئی ہو تم؟“

ام ابان کی نگاہیں لڑکوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ گویا انہیں غور سے دیکھ رہی تھیں

انہوں نے بغیر ابن سعید کی طرف دیکھے ہوئے کہا ”بس ہم سے کوئی نہ بولا کرے۔“

ابن سعید نے کہا ”کیا یہ لڑکوں سے کہا جا رہا ہے۔ اچھا میں انہیں بھی یہاں سے

ہٹا دیتا ہوں۔ انہوں نے خواہ مخواہ تمہیں ناراض کر دیا۔“

یہ کہتے ہی وہ اٹھے اور لڑکوں کی طرف بڑھنے لگے۔ ام ابانؓ نے کہا۔
”کہاں جا رہے ہیں آپ؟“

ابن سعیدؓ: ان لڑکوں کو ہٹاتے۔

ام ابانؓ: کیوں؟

ابن سعیدؓ: ”انہوں نے آپ کو ناخوش بھی کر دیا ہے۔“

ام ابانؓ: وہ ناخوش کیوں کرتے۔

ابن سعیدؓ: اور کس سے خفا ہو گئی ہو تم؟

ام ابانؓ: جو میری بات کا جواب دینا بھی کسر شان سمجھتے ہیں۔

ابن سعیدؓ: وہ کون بے وقوف ہے؟

دراصل ابن سعیدؓ کچھ ایسے مجذوب ہو رہے تھے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں کہ ام ابانؓ نے

ان سے کیا کہا تھا۔ اور چونکہ وہ لڑکوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اس لئے وہ بھی سمجھے کہ

لڑکوں سے ناخوش ہو گئی ہیں۔ مگر جب انہوں نے بتایا کہ جو ان کی بات کا جواب دینا کسر

شان سمجھتے ہیں وہ ان سے ناخوش ہو گئیں ہیں تو انہیں طراہ آگیا اور انہوں نے ادھر ادھر دیکھا

مگر وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

ام ابانؓ: یا تو خفا ہو رہی تھیں یا بے ساختہ ہنس پڑیں۔

ابن سعیدؓ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر کہا: ”تم ہنس رہی ہو؟“

ام ابانؓ: میں کہتی ہوں۔ ”آپ مجھ سے بات نہ کریں۔“

ابن سعیدؓ: کیا خطا ہو گئی ہے آخر؟

ام ابانؓ: جیسے کچھ معلوم ہی نہیں۔

ابن سعیدؓ: بخدا مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔

ام ابانؓ: اور آپ تھے کہاں؟

ابن سعیدؓ: حُسن کی دنیا میں۔

ام ابانؓ: معلوم ہے میں نے کیا کہا تھا؟

ابن سعیدؓ: میں نے کچھ بھی نہیں سنا۔

ام ابانؓ: میں نے دریافت کیا تھا کہ آپ سے غلطی کیوں ہو جاتی ہے؟

ابن سعیدؓ: میں تمہارے سامنے آکر اپنے حواس ہی میں نہیں رہتا۔

ام ابانؓ: مگر آپ میرے سامنے آیا ہی کیوں کرتے ہیں؟

ابن سعیدؓ: دل مجبور کر دیتا ہے۔

ام ابانؓ: ایسا دل بھی کس کام کا۔

ابن سعیدؓ: کاش میرا دل بھی تمہارے ہی جیسا پتھر ہوتا۔

ام ابانؓ نے بگڑنے کی شان سے کہا: ”اچھا اب ہم آپ سے نہ بولا کریں گے۔“

ابن سعیدؓ: تم خفا ہو ہو کر میری جان کیوں گھلائے دیتی ہو۔

ام ابانؓ: کوئی بول بھی رہا ہے آپ سے۔

ابن سعیدؓ: اس قدر ستم نہ کرو۔

ام ابانؓ کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ اسلامی لشکر میں عظیم شور بلند ہوا۔ یہ دونوں اس شورو

سن کر چونک گئے۔ ام ابانؓ نے کہا: ”یہ کیسا شور بلند ہوا؟“

ابن سعیدؓ: خدا خیر کرے۔ شور سے خوف کی شان معلوم ہو رہی ہے۔

ام ابانؓ: ارے یہ تو عورتوں اور بچوں کے چیخنے اور چلانے کی آوازیں بھی آنے لگیں۔“

اس وقت شور و شغب بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ عورتوں کے زور زور سے غل مچانے اور

بچوں کے چیخنے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔

ابن سعیدؓ نے کھڑے ہوتے ہی کہا: ”کہیں عیسائیوں نے حملہ تو نہیں کر دیا؟“

ام ابانؓ بھی کھڑی ہو گئی تھیں۔ انہوں نے کہا: ”ایسا ہی علوم ہوتا ہے چلو ذرا جلدی

سے چل کر دیکھیں۔“

ابن سعیدؓ نے بڑھتے ہوئے کہا: ”آؤ چلیں۔“

دونوں بچے بھی دوڑ کر ان کے پاس آ گئے۔ یہ دونوں بچوں کو ساتھ لے کر چلے اور ٹیلہ

پر چڑھ گئے۔ انہوں نے ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھا کہ ٹیلوں کے پیچھے سے عیسائی

دوسرا باب

غضب ناک حور

مشور غل اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر ٹیلہ پرادر ہر ٹیلہ کے نشیبی میدان میں عیسائی بکھر گئے تھے اور چونکہ وہ منگی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ اس لئے صاف و شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعیں پڑتے سے بجلی کی طرح کوند رہی تھیں۔ ام ابان نے خوف ددہ ہرنی کی طرح خوف بھری نگاہوں سے ابن سعید کو دیکھ کر کہا ”آہ! اب کیا ہوگا؟“

ابن سعید نے تسلی دہ لہجہ میں کہا ”گھبراؤ نہیں خدا بہتر کریگا۔“

ام ابان: مگر یہ اس قدر عیسائی کہاں سے گئے؟

ابن سعید: معلوم ہوتا ہے دمشق والوں نے حملہ کر دیا ہے۔ آؤ جلدی سے چل کر تلوار اٹھائیں۔

دونوں چلے۔ لیکن ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ آواز آئی یہ ٹھہرو! کہاں جاتے ہو؟ ان دونوں نے اور ان کے ساتھ بچوں نے پلٹ کر دیکھا۔ انہیں ۳۰، ۲۵ عیسائی ان کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ان عیسائیوں کو دیکھ کر یہ چاروں حیران ہو کر انہیں دیکھتے رہ گئے۔

وہ اچانک آگئے تھے اور اس وقت آئے تھے جب کہ عورتیں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ چونکہ ان کے آنے کی توقع نہ تھی۔ اس لئے کسی عورت کے پاس بھی اس وقت نہ کوئی ہتھیار تھا اور نہ کوئی لکڑی، بانس یا ڈنڈا نہ تھا۔ سب نہتی تھیں اور اطمینان سے بیٹھی کام کر رہی تھیں عیسائیوں نے آتے ہی انہیں چاروں طرف سے گھیر کر گرفتار کر لیا اور سارے کھانا دیا تھا۔ اس اچانک مصیبت سے خائف ہو کر بچے شور کرنے اور عورتیں غل مچانے لگیں۔

مسلمان مرد بھی بے فکری سے کھانا تیار کر رہے تھے۔ مگر ان کے قریب ان کے ہتھیار رکھے تھے۔ جوں ہی انہوں نے عیسائیوں کو گھوڑے دوڑاتے اور منگی تلواریں ہلاتے آتے ہوئے دیکھا وہ جلدی سے ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور جس کے جو ہتھیار بھی ہاتھ آگیا اٹھا اٹھا کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے سامنے جا ڈٹا۔

مظاہر اس سراسیمگی اور افراتفری میں انہیں مسلح ہونے کا موقع نہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ وہ

اس وقت حضرت خالد ہی کل لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اور صرف ایک ہزار سپاہی عورتوں کی حفاظت اور آرام سے لانے کے لئے پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے۔

جس وقت دمشق سے اسلامی لشکر اجنادین کی طرف کوچ کرنے لگا تھا۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے کہا تھا کہ وہ خود عورتوں کی حفاظت کے لئے رہ جائیں اور ابو عبیدہؓ آگے چلے جائیں لیکن ابو عبیدہؓ نے ہی کہہ دیا تھا کہ خالدؓ آگے جائیں اور وہ پیچھے رہیں گے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ دمشق کے عیسائی قلعہ سے نکل کر ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے صرف ایک ہزار لشکر ہی عورتوں کے ساتھ رکھا اور باقی سب کو آگے روانہ کر دیا۔

ابن سعیدؓ نے کہا: ”کیا بولیں کی اتنی جرأت ہو گئی؟“
بولیں دمشق کا بادشاہ تھا۔ عیسائی نے ہنس کر کہا: ”جرأت.....؟ ان کی جرأت کا جال اب معلوم ہو جائے گا۔“

ابن سعیدؓ کو جوش اور غصہ آ رہا تھا۔ انہوں نے کہا: ”نامرد، بزدل مجھے ہمتا دیکھ کر ہنستا ہے اگر مرد ہے تو ایک تلوار مجھے دو اور پھر دیکھ کہ کس قدر لاشیں یہاں تڑپتی نظر آتی ہیں“
عیسائی پھر ہنسا، اس نے کہا: ”نوجوان! تمہاری بہادری معلوم ہے۔ کہیں عرب بھی بہادر ہوتے ہیں؟“

ابن سعیدؓ نے دانت پیستے ہوئے کہا: ”عرب..... عربوں کی بہادری کی دھاک تمہارے دنوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔ ہماری قوم کے مرد تو مرد، عورتیں بھی بہادر ہوتی ہیں۔ اور عورتیں کیا بچے بھی بہادر ہوتے ہیں۔ تمہاری قوم اچھی طرح جانتی ہے؟“

عیسائی نے بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: ”اد مغرور نوجوان! اس طرف دیکھ اپنی عورتوں اور بچوں کی طرف، کیا بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں؟“

ابن سعیدؓ اور ام ابانؓ نے دیکھا۔ عیسائیوں نے تمام بچوں اور عورتوں کو زعفران میں سے لیا تھا اور انہیں گھر بنا کر رہتے تھے۔

عیسائی نے کہا: ”تو نے دیکھا ان عورتوں اور بچوں کو جن کی تو ابھی تعریف کر رہا تھا۔ ابن سعیدؓ! دیکھا اور دیکھ رہا ہوں۔“

مسلم نہ ہو سکے اور مسلح ہونا تو درکنار پورے ہتھیار بھی نہ لے سکے۔ کسی کے ہاتھ میں نیزہ آیا، نیزہ ہی اٹھا کر دوڑ پڑا۔ کسی نے تلوار ہی اٹھالی، کوئی محض ڈھال اور خنجر ہی اٹھا کر بھپٹ پڑا۔ مسلمان صرف ایک ہزار ہی تھے اور عیسائی سولہ ہزار کے قریب تھے۔ پھر وہ زرہ بکترین پہنے اور تمام ہتھیار لگائے تھے اور مسلمان ایک ایک ہتھیار ہی لئے ہوئے تھے۔ ڈھالیں کم لوگوں کے پاس تھیں۔

ایسی صورت میں مسلمانوں کی عیسائیوں سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ لیکن اس پر بھی وہ گھبرائے نہیں اور انہوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں جاتے ہی جنگ شروع کر دی۔

ام ابانؓ اور ابن سعیدؓ نے لڑائی شروع ہوتے دیکھ لی تھی۔ وہ خود بھی لڑائی میں شریک ہونے کے لئے جانا چاہتے تھے کہ عیسائیوں کا ایک گروہ اُدھر آ نکلا اور انہوں نے ان دونوں کو اپنی طرف مخاطب کیا۔

وہ دونوں حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔ عیسائی تیزی کے ساتھ ان کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

چونکہ یہ دونوں نہتے تھے۔ اس لئے خاموش کھڑے سوچ رہے تھے۔ کم از کم ابن سعیدؓ اس فکر میں تھے کہ اگر تلوار مل جائے تو عیسائیوں کا مقابلہ کر لیں۔ مگر وہاں تلوار کہاں تھی آخر عیسائی بڑھ کر ان کے چاروں طرف آ کھڑے ہوئے، ابن سعیدؓ نے دریافت کیا: ”کیا تم دمشق کے رہنے والے ہو؟“

ان میں سے کئی آدمی عربی جانتے تھے۔ ایک شخص نے کہا: ”خوب پہچانا تم نے، ہم دمشق کے ہی رہنے والے ہیں۔“

ابن سعیدؓ: لیکن ہم تو تمہیں چھوڑ کر آئے تھے۔

وہی شخص: مگر ہم تو تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ لیکن ہر قل اعظمؓ نے دس ہزار لشکر مسلمانوں کے پیس ڈالنے کے بھیجا تھا اور یہ لشکر اجنادین میں آ گیا تھا۔ مسلمانوں کا کل لشکر ستائیس ہزار تھا جو حضرت خالدؓ کے ہمراہ روانہ ہو گیا تھا۔ اس

عیسائی : کیا ان کی ہی بہادری کی ڈینگیں مار رہا تھا ؟

ابن سعید : ہاں ان کی ہی ۔ مکار انسان ! تم نے اور تمہاری بزدل اور مکار قوم نے اچانک حملہ کر کے گرفتاریاں شروع کر دیں ہیں ۔ اگر یہ مسلم شیرنیاں مسلح ہوتیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں انسانوں کے سر خاک اور خون میں آغشتہ پڑے ہوئے نظر آتے ۔

عیسائی : زبان دراز شخص تم چاہے جو جتنے جاؤ مگر ایک بات کا تمہیں اقرار کرنا چاہیے ۔ ابن سعید : کس بات کا ؟

عیسائی : ہماری قوم کی رحم دلی کا ۔ اگر ہم چاہتے تو ایک عورت اور ایک بچہ بھی زندہ نہ رہتے دیتے ۔ لیکن ہم خون ریزی سے نفرت کرتے ہیں ۔

ابن سعید : اور اس سیر کو جو تمہارے شہنشاہ ہرقل اعظم کی خدمت میں بھیجا گیا تھا شاید تم نے اسے اسی لئے قتل کر دیا تھا کہ تمہیں خون ریزی سے نفرت ہے اور تم رحم دل ہو ۔ عیسائی : مجھے فضول باتیں کرنے اور سننے کی فرصت نہیں ہے ۔

ابن سعید : اب فرصت کیوں ہونے لگنی ۔ تم نے بلاوجہ اس قاصد کو قتل کر کے مسلمانوں کو جنگ کی دعوت دی ہے ۔ ہم نے تمہاری دعوت منظور کر لی ہے اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اب یہ آگ اس وقت بجھ سکتی ہے یا تو ہرقل اعظم کا خون بہا ادا کرے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا جائے ۔

عیسائی نے غضب ناک نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا ۔ ”بد بخت شخص تو نے مجھے غصہ دلا دیا ہے ۔ اور میں اب بغیر تجھے قتل کئے باز نہیں رہ سکتا ۔“ یہ کہتے ہی اس نے تلوار کھینچ لی اور ان کی طرف بھپٹا ۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگے ۔ مردانہ وار کھڑے ہو کر ۔

جوں ہی عیسائی ان کے قریب آیا فوراً ہی ام ابان ان کے نیچے میں آگئیں ۔ انہوں نے کہا اس قدر وحشیانہ پن نہ برتو ۔

عیسائی نے ام ابان کو دیکھا اور دیکھتا رہا ۔ نہایت تیز نظروں سے ام ابان اسے بے تحاشا اپنی طرف دیکھتے ستر آگئیں ۔ انہوں نے اپنا چہرہ جھکا لیا ۔ عیسائی نے کہا ۔

”اے عرب کی جور ! تو کس قدر حسین ہے“

ابن سعید کو جوش آگیا ۔ انہوں نے کہا بدکار انسان ! عربی دوشیزہ سے ادب کے ساتھ بات کر عیسائی نے طیش بھری نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا ۔ ”اب تیری موت میں کوئی شک نہیں رہا ۔“

یہ کہتے ہی اس نے تلوار سے حملہ کرنا چاہا ۔ مگر فوراً ہی ام ابان نے اپنے دونوں ہاتھ ابن سعید کے اوپر اٹھا دیئے یہ دیکھ کر عیسائی کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا ۔ اس نے کہا ۔ ”پیاری نازنین ! تم الگ ہٹ جاؤ ۔“

ام ابان کو اب غصہ آگیا انہوں نے غبظ بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا عیسائی کچھ گھبرا گیا ۔

اس عرصہ میں ابن سعید نے جھپٹ کر عیسائی کے سینہ میں گھونسلہ مارا وہ چکر اکر گرا ۔ اور اس کے گرتے ہی تلوار چھوٹ کر نیچے آ رہی ۔ ابن سعید نے جلدی سے تلوار اٹھائی اور کھڑا ہونا چاہا ۔ لیکن افسوس ابھی کھڑے ہونے بھی نہ پاٹے تھے کہ کئی عیسائی ان سے لپٹ لئے اور تلوار چھین کر انہیں گرفتار کر لیا ۔

جبکہ کہ ابن سعید کو گرفتار کیا جا رہا تھا ۔ دو عیسائیوں نے ام ابان کو بھی پکڑ لیا اور ان کے بعد کچل کو بھی حراست میں لے لیا ۔

جس عیسائی کو ابن سعید نے گھونسا مارا تھا وہ بے ہوش ہو گیا تھا جب عیسائیوں نے اسے اٹھانا چاہا تو وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا ۔

گھونسلہ اس کی پسلیوں میں پڑا تھا جس سے کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور شیردل بہادر کی ایک ہی ضرب اس کی موت کا باعث ہو گئی تھی ۔

عیسائیوں کو ابن سعید پر غصہ تو بہت آیا مگر کچھ سوچ کر چپ ہو رہے اور ان اسیرانِ ستم کو گرفتار کر کے ٹیڈ سے نیچے اترنے لگے ۔

ان دونوں نے دیکھا کہ تمام عورتیں اور سارے بچے گرفتار کر لئے گئے ۔ اور مسلمان جوش و خروش سے لڑ رہے ہیں ۔

تیسرا باب

غیبی مدد

جس وقت اسلامی لشکر دمشق سے محاصرہ اٹھا کر اجنادین کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ اسی وقت بولص نے اپنے بھائی پطرس کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ دونوں بھائی سولہ ہزار لشکر جس میں چھ ہزار سوار اور دس ہزار پیادے تھے لے کر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ انہیں جاسوسوں نے یہ بتا دیا تھا کہ تمام لشکر آگے چلا گیا ہے۔ اور صرف ایک ہزار سپاہی عورتوں کے ساتھ رہ گئے ہیں۔ اس خوشخبری کو انہوں نے اپنی خوش طبعی پر محمول کیا اور فوراً ہی تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

چونکہ ابوعبیدہ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اس لئے انہیں عیسائیوں نے نہر استریاق کے اس طرف شحوراء کی سرزمین میں جا پکڑا۔

بولص نے پیدل سپاہ پر پطرس کو سردار مقرر کر دیا تھا۔ اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ عورتوں پر زور نہ کرے انہیں گرفتار نہ کرے اور گرفتار کرتے ہی وہاں سے چل پڑے اور نہر استریاق پر ٹھہر کر اس کے آنے کا انتظار کرے۔

ان کی خوش قسمتی سے موقع ایسا ملتا تھا آیا کہ عورتیں اور بچے مردوں سے الگ اور فاضل

۱۔ شحوراء نہر استریاق سے پانچ میل کے فاصلہ اجنادین کی طرف ایک مختصر قصبہ تھا۔ آج اسی قصبہ کے کھنڈرات بھی باقی نہیں رہے ہیں۔ (صادق حسین صدیقی)

تھے۔ بولص تو مردوں پر حملہ آور ہوا اور پطرس نے عورتوں اور بچوں پر دھوا بول دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو اتنا موقع ہی نہ ملا کہ وہ اپنے اہل و عیال کی مدد کر سکیں۔ وہ لڑائی کے ہنگامہ میں اکبھ کر رہ گئے اور پطرس نے بہت سی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں گرفتار کرتے ہی پطرس دو ہزار پیادہ کو ساتھ لے کر نہر کی طرف واپس لوٹ پڑا وہ خوش تھا۔ نہایت خوش، اسے کامل طور پر یقین تھا کہ بولص ایک ہزار مسلمانوں کا خاتمہ کر کے بہت جلد واپس لوٹ کر اس سے نہر پر آکر ملے گا۔ یہ بات قرین قیاس بھی تھی۔ کیونکہ مسلمان صرف ایک ہزار تھے۔ وہ بھی غیر مسلح اور عیسائی چودہ ہزار تھے اور زورہ بکتر پہنے ہوئے ہتھیار لگائے ہوئے۔ جنگ ہو رہی تھی۔ مسلمان باوجود کم اور بے سرو سامان ہونے کے نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ ہر غازی غیظ و غضب میں بھرا جھپٹ بھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔ اور ہر حملہ میں کم از کم ایک عیسائی کو مار ڈالتا تھا۔ عیسائی نہایت سختی سے غصہ میں آ کر حملے کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالیں۔ لیکن باوجود ان کی جان توڑ کوشش کے بھی مسلمان نہ مرتے تھے۔ بلکہ اور بھی سرفروشی سے لڑ لڑ کر انہیں قتل کر رہے تھے۔ عیسائیوں کو یہ دیکھ کر بڑا غصہ آ رہا تھا اور وہ غضب ناک ہو کر حملے کر رہے تھے۔ مگر جنوں ہی وہ غصہ میں آ کر مسلمانوں پر یورش کرتے۔ مسلمان ان کے چلے روک کر ان کے اوپر ٹوٹ پڑتے اور جہاں تک بڑھتے ان کی لاشیں پھاتے چلے جاتے۔ اگرچہ مسلمانوں کی عیسائیوں سے کوئی نسبت ہی نہ تھی لیکن پھر بھی وہ ایسی جان باری سے لڑ رہے تھے کہ عیسائیوں کو ان کی بہادری اور بے مثل دلیری کا قائل ہونا پڑا۔ چونکہ عیسائی تعداد میں زیادہ تھے۔ اس لئے وہ دور تک پھیلے ہوئے تھے اور جہاں تک وہ پھیلے ہوئے وہیں تک مجبوراً مسلمانوں کو بھی پھیلنا پڑا تھا اور اس طرح متخاصمین کے پھیلنے کا وجہ سے محاذ جنگ کافی لمبا چوڑا ہو گیا تھا۔ چونکہ ہر عیسائی اور ہر مسلمان لڑ رہا تھا۔ اس لئے تواریں دور تک اٹھتیں اور انسانوں کے

سروں پر جھکتی نظر آرہی تھیں۔

ابھی تک بعض عیسائیوں کی جنگ کرنے کی نوبت نہ آئی تھی، وہ تلواریں تولے اس بات کے منتظر تھے کہ موقع ملے ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔

ان کی صاف و شفاف تلواریں دھوپ میں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن زیادہ تلواریں خون آلودہ تھیں اور جامہ بارخون اگلتی ہوئی اٹھتی تھیں اور پھر انسانوں کے سمندر میں ڈوب جاتی تھیں۔ جنگ نہایت زور کے ساتھ ہو رہی تھی۔ عیسائی مسلمانوں پر اور مسلمان عیسائیوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ سروت کے فیصلے ہو رہے تھے۔ ہاتھ اور پیرکٹ کٹ کر گر رہے تھے خون کی دھاریں بہنے لگیں تھیں۔

عیسائی جوش میں آکر نعرے لگانا کر چلے کر رہے تھے۔ لیکن مسلمان نہایت خاموشی سے مگر بڑے استقلال اور جرأت سے لڑ رہے تھے۔ ان کا بے پناہ تلواریں جس سوار جس پیدل اور جس گھوڑے پر پڑتی تھیں اس کا خاتمہ کئے بغیر نہ چھوڑتی تھیں۔

بعض مسلمانوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ کچھ عیسائی عربی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عیسائیوں کا خاتمہ کر کے دوڑیں اور عورتیں اور بچوں کو عیسائیوں کے چنگل سے چڑالیں۔

گویا باوجود بہت کم اور بالکل غیر مسلح ہونے کے بھی انھیں یقین کامل تھا کہ وہ عیسائیوں کا خاتمہ کر ڈالیں گے۔

چونکہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان پکے اور پستے مسلمان تھے۔ کبھی ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ کرتے۔ روزہ نہ چھوڑتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے، حج کرتے تھے۔ جن باتوں کو خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے اسے نہ کرتے تھے۔ اس لئے انھیں خدا کی ذات پر اعتماد اور یقین کامل رہتا تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا اور فتحیاب وہی ہوں گے۔

زیادہ تر ہوتا بھی یہی تھا مسلمان باوجود کم ہونے کے بیشتر لڑائیوں میں کامیاب ہوتے رہتے تھے۔

یہ قاعدہ اور کلیہ ہے کہ جو غلام اپنے آقا کی خدمت اور اطاعت کرتا رہتا ہے، آقا

اسی سے خوش رہتا ہے اور ہر حالت میں اس کی مدد کرتا ہے کبھی اسے تکلیف نہیں ہونے دیتا۔ غلام کو بھی اپنے آقا پر زعم رہتا ہے۔ اور اس زعم میں وہ اکثر ایسے کام کر گزرتا ہے جو نہایت محذوشت ہوتے ہیں لیکن آقا کی مدد سے کامیاب ہو جاتا ہے۔

مگر ایک ایسا غلام جو آقا کی اطاعت نہیں کرتا آقا کی نظروں سے گر جاتا ہے اور اس کا آقا اس کی خبر نہیں لیتا۔

یہی حالت خدا اور خدا کے بندوں کی ہے۔ عام بندوں کی نہیں بلکہ جو حقیقت میں اپنے آپ کو اس کا بندہ سمجھتے ہیں۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ توحید پرست صرف مسلمان ہیں۔ عیسائی تین خدائی کو مانتے ہیں یہودی حضرت غدیر علیہ السلام کو جو محض ایک پیغمبر تھے۔ خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ آتش پرست سب کچھ آگ ہی کو سمجھتے ہیں۔ ہندو سینکڑوں چیزوں کو پوجتے ہیں۔ اس لئے توحید پرست ان میں سے ایک بھی نہیں۔

صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو محض ایک خدا پر یقین رکھتی اور اسی کی پرستش کرتی ہے اس لئے صحیح طور پر مسلمان ہی خدا کے بندے کہلانے کے مستحق ہیں۔

مگر قرونِ اولیٰ کے مسلمان خدا کی عبادت کرتے تھے اور خدا ان سے خوش تھا۔ وہ ہر کام اور ہر جنگ میں کامیاب ہوتے تھے۔ اور ہم آج کل کے مسلمان محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں، نہ امر و نہی کا خیال کرتے ہیں۔

ہاں لہو و لعب میں مصروف رہتے ہیں۔ دنیا بھر کی برائیاں اور خرابیاں ہم نے مول لے لی ہے۔ ہم خدا کو بھول گئے ہیں۔ خدا ہمیں بھول گیا ہے اور خدا کے بھولنے کی وجہ سے ہم ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے ہیں۔

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پھر ہماری دھاک بندھ جائے۔ پھر دنیا ہم سے کانپنے لگے۔ پھر سارے جہان میں ہماری حکومت ہو جائے۔ پھر دولت ہمارے قدموں پر آ پڑے تو ہمیں مسلمان بن جانا چاہیئے۔

مارتے کاٹے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ جس شخص پر تلوار مارتے تھے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ اور ابھی تک ان کے قوا بھی سست نہ ہوئے تھے۔ اب بھی وہ اسی جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ جس سے انہوں نے جنگ شروع کی تھی۔

چونکہ سارے لشکر میں وہ سب سے زیادہ کمسن تھے اور ابھی تک لڑ رہے تھے اس لئے تمام مسلمان بھی جنگ کر رہے تھے۔

بولوں نہایت گراں دہل تھا۔ وہ اب تک جنگ میں مصروف نہیں ہوا بلکہ علیحدہ کھڑا ہوا اپنے سپاہیوں کو جوش دلا دلا کر جنگ پر بہانگیختہ کرتا رہا تھا۔ اب وہ بھی جنگ کی آگ میں کود پڑا تھا اور ہلکے تمکھے ہوئے مسلمانوں پر حملے کرنے لگا تھا۔

اسے لڑتے ہوئے دیکھ کر تمام عیسائیوں کو جوش آگیا تھا۔ اور وہ اس وقت اور خوش و خروش سے لڑنے لگے تھے۔

مسلمان اب بہت زیادہ ناتوان ہو گئے تھے۔ سچ پوچھو تو اب ان میں مدافعت کی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ لیکن ابھی تک وہ لڑ رہے تھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے تھے ”خدا یا تیری مدد کہاں ہے؟“

گویا انہیں خدا پر اطمینان تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا اور ضرور کرے گا۔ کس قدر راسخ العقیدہ تھے وہ۔

بولوں نے اندازہ لگایا تھا کہ جب تک ابو عبیدہ زندہ اور باقی رہ کر لڑتے رہیں گے اس وقت تک مسلمان نہ سپاہیوں گے نہ ہتھیار ڈالیں گے۔

چنانچہ اس نے گھوڑا بڑھا کر ابو عبیدہ پر حملہ کر دیا۔

ابو عبیدہ نے بھی دیکھ لیا۔ انہوں نے اس کا حملہ روک کر خود بھی حملہ کیا لیکن ایک تو ضعیف کا عالم تھا دوسرے عرصہ تک جدال و قتال کرنے کی وجہ سے طاقت جواب دے چکی تھی۔ اس لئے حملہ ہوا تھا۔ تلوار بولوں کی ڈھال پر پڑ کر اچٹ گئی

غرض مسلمانوں کو کامل یقین تھا کہ فتح انہیں کی ہوگی اور اس یقین ہی کی وجہ سے وہ نہایت خوریزی سے جنگ کر رہے تھے۔

قوی نعروں کی آوازوں، زخمیوں کے چلانے اور گھوڑوں کے ہنہانے کی وجہ سے تمام میدان گھونچ رہا تھا۔

جنگ زوال کے وقت شروع ہوئی تھی اور اب ظہر کا وقت آگیا تھا۔ اس وقت سے اب تک برابر جنگ ہوتی رہی تھی۔ بلکہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا جنگ کی آگ اور تیزی سے بھڑکتی جاتی تھی۔

بدقسمتی سے جنگ ایسے وقت شروع ہو گئی جب کہ مسلمان کھانا کھا کر بھی فارغ ہوئے تھے۔

صبح سے بارہ بجے تک تو وہ سفر کرتے رہے تھے اور بارہ بجے سے اب تین بجے تک نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

ان وجوہات سے ان کی طاقت لمحہ بہ لمحہ زائل ہوتی جا رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ بڑی سرد و خروش سے لڑ رہے تھے۔

عیسائی بھی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور جب کوئی ان ہی میں سے مرجاتا تھا تو تازہ دم آگے بڑھ کر لڑنے لگتا تھا۔ اس لئے ان کے جوش و خروش میں کمی واقع نہ ہوتی تھی اور وہ اسی شد و مد سے لڑ رہے تھے جس سے انہوں نے جنگ شروع کی تھی۔ مسلمانوں کے اضمحلال دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ نہایت قوت سے جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

اب مسلمانوں میں بڑھ کر حملے کرنے کی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ ان کے بازو سست پڑ گئے تھے۔ اور اس لئے وہ ٹھن جملے روک رہے تھے البتہ کبھی کبھی کوئی جوشیلا بڑھ کر حملہ بھی کر دیتا تھا اور ایک دو عیسائیوں کو مار کر ہی پیچھے ہٹ آتا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ ضعیف العمر تھے۔ ان کی دائرہ صلی لمبی اور سفید تھی باوجود کبیر سنی کے وہ نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے جس طرف حملہ کرتے تھے وہ دراز تک

چوتھا باب

شکست

اب بولیں نے زور اور قوت سے حملہ کیا مگر ابھی اس کی تلوار ابو عبیدہ کے سر سے فاصلہ ہی پر تھی کہ الشراکبر کے پر شور نعرہ کی آواز آئی۔ بولیں اور تمام عیسائی حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ مسلمانوں نے بھی پھر پھر کر دیکھنا شروع کیا انھیں اجنادین کی طرف مسلمان گھوڑے نظر آئے۔ ان مسلمانوں کو دیکھ کر جس قدر حیرت عیسائیوں کو ہوئی اسی قدر مسلمانوں کو بھی ہوئی۔

اس وقت جنگ بند ہو گئی اور عیسائی اور مسلمان دونوں آنے والے مسلمانوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ یہی وہ خدا کی مدد تھی جس کا مسلمان انتظار کر رہے تھے اور جو عین وقت پر آئی تھی۔

جس وقت جنگ زور شور کے ساتھ ہو رہی تھی۔ تلواریں سرفروشوں کے سروتن کے قیصلے کر رہی تھیں۔ لاشوں کے ڈھیر لگتے جا رہے تھے اور خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ اس وقت ایک مسلمان ابن صباح نے ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر اندازہ یہ لگایا کہ عیسائیوں کا لشکر کس قدر ہے۔ چونکہ عیسائی شہزاد کی تمام سرزمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ صحیح اندازہ نہ لگا سکے البتہ انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اگر وہ بغیر ہاتھ پیر ہلائے قتل ہونے کے لئے بھی کھڑے ہو جائیں تو مسلمان انھیں شام تک بھی قتل نہ کر سکیں گے۔

انھوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ کچھ عیسائی عورتوں اور بچوں کو پڑ کر دمشق کی طرف لے گئے تھے۔ انھیں خوف ہوا کہ اگر مسلمان تمام دن لڑتے رہے اور دمشق کی طرف جانیں لے عیسائیوں کا تعاقب نہ کیا تو وہ عورتوں اور بچوں کو لے کر قلعہ میں داخل ہو جائیں گے۔ اور پھر ان کی رہائی مشکل ہو جائے گی۔

یہ باتیں سوچ کر انھوں نے اپنا گھوڑا اجنادین کی طرف ڈال دیا اور اس تیزی سے روانہ ہوئے کہ درخت ٹیلے اور زمین پیچھے کی جانب بھاگتے ہوئے معلوم ہوتے لگے۔ ان کا گھوڑا ایسی نسل تھا۔ نہایت تیز دوڑتا تھا، خوب دوڑتا تھا۔ ایسا معلوم

غبار نے انہیں بھی اپنے دامن میں لے کر چھپا دیا تو خالدؓ نے کہا: "مزار! تم قیس بن ہبیرہ المرادی کے ساتھ اپنے ایک ہزار سواروں کو لے کر روانہ ہو جاؤ۔"

مزار بڑے بے چین ہو رہے تھے۔ انہیں افسوس تھا کہ سب سے پہلے انہیں ہی کیوں نہ حکم دیا گیا۔ اب حکم پاتے ہی وہ بھی لشکر کو لے کر اور قیس کے آتے ہی انتہائی تیزی سے روانہ ہو گئے۔

ان کے جاتے ہی خالدؓ بقیہ تمام لشکر کے ساتھ ذرا تیز قدمی سے چل پڑے چونکہ ابن صباح کا گھوڑا تھک گیا تھا۔ اس لئے وہ اس لشکر کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے رافع چلے تھے۔ وہ اور ان کے ساتھی گھوڑوں کی باگین اٹھائے دوڑے چلے جا رہے تھے۔ جب وہ شحور کے میدان میں پہنچے اور انہیں نے دور سے لڑائی ہوتے دیکھی تو مسلمانوں کو تقویت پہنچانے اور عیسائیوں کو مرعوب کرنے کے لئے انھوں نے دور سے ہی اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔

رافعؓ میدان کارزار میں اس وقت پہنچے جب بولص ابو عبیدہؓ پر حملہ کر رہا تھا۔ رافعؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان اور عیسائی دونوں حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے یہ غازیان اسلام میدان جنگ میں جاتے ہی چاروں طرف بکھر گئے اور نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

اول اول تو عیسائی سمجھے کہ مسلمان کا تمام لشکر آگیا مگر جب انھوں نے سرائٹھا اٹھا کر اچھی طرح دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ آنے والے مسلمان بھی زیادہ نہیں ہیں صرف ایک ہی ہزار ہیں تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے آنے والے مسلمانوں پر بھی حملہ کر دیا۔ جنگ پھر نہایت شدید سے ہونے لگی۔ عیسائی مسلمانوں پر اور مسلمان عیسائیوں پر لڑ پڑے، ہاتھ، سر اور دھڑکتے کٹ کر گرنے لگے۔ تلواریں جلد از جلد اٹھ اٹھ کر سرد تن کے فیصلے کرنے لگیں تھیں۔

جس وقت بولص نے ابو عبیدہؓ پر حملہ کیا تھا تو وہ سمجھا تھا کہ وہ بڑھے ہیں اور زیادہ دیر لڑنے کی وجہ سے تھک گئے ہیں۔ آسانی سے انہیں قتل کیا جاسکے گا۔ مگر جب ابو عبیدہؓ

ہوتا تھا جیسے گھوڑے نے سوار کے دل کا حال معلوم کر لیا تھا اور وہ اپنی پوری رفتار کیساتھ زمین کی طنائیں کھینچا دوش ہو ا پر سوار اڑا چلا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ مسلمانوں کے لشکر میں جا پہنچا۔

ابن صباح نے دور ہی سے چلا کر کہا: "اَلْتَفِيخُو النَّفِيخُ يَا اَنْصَارُ الدِّيْنِ" یعنی اے دین کے مددگاروں چلو چلو۔

فوراً اسلامی لشکر رک گیا اور سر مجاہد حیران ہو کر ابن صباح کی طرف دیکھنے لگا۔

ابن صباح لشکر میں جا کر رکا۔ ان کا گھوڑا پسینہ میں نہا گیا تھا۔ جلدی سے خالدؓ اور مزار اس کے پاس آئے۔ خالدؓ نے دریافت کیا: "کیا بات ہے۔ اے صباح کے بیٹے؟"

ابن صباح نے کہا: "دشمن کے عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ ان کا ایک گروہ مسلم عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ جنگ کی آگ نہایت تیزی سے بھڑک اٹھی ہے خالدؓ نے کہا: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ" یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اس وقت ان کے گرد رافعؓ بن عمیرہ الطائی، عبدالرحمنؓ بن ابوبکر صدیقؓ اور چند اور سردار اکھڑے ہوئے تھے۔ سب اس واقعہ روح فرسا خبر کو سن کر نہایت غم ناک ہوئے خالدؓ نے کہا: "میں نے پہلے ہی ابو عبیدہؓ سے کہا تھا کہ وہ مجھے پیچھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہنے دیں لیکن انھوں نے نہ مانا۔ میں انہیں الزام نہیں دے سکتا۔ خدا کو منظور یوں تھا اچھا رافعؓ تم اپنا ایک ہزار دستہ لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

حکم ملتے ہی رافعؓ چلے گئے اور ایک ہزار سواروں کو ساتھ لے کر اس تیزی سے روانہ ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد خالدؓ نے کہا: "بھائی عبدالرحمنؓ! اب تم اپنا ایک ہزار سواروں کا دستہ لے کر روانہ ہو جاؤ۔"

فوراً وہ بھی چلے اور اپنا دستہ لے کر رافعؓ ہی کی تیزی سے روانہ ہو گئے۔ جب گروہ

کوڑتے اور حملہ کرتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ لوہے کے بنے ہوئے انسان ہیں۔ ان پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔

وہ جلدی سے ان کے سامنے سے ہٹ گیا اور اِدھر اُدھر گھوڑا دوڑا کر اپنے سپاہیوں کو جوش دلانے لگا۔

ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ پھر اللہ اکبر کے نعرہ کی پر زور آواز آئی۔ پھر مسلمانوں اور عیسائیوں نے ابھرا بھرا کر دیکھا پھر مسلمان آتے اور آتے ہی حملہ کرتے نظر آئے۔

یہ حضرت عبدالرحمنؓ کا دستہ تھا جس نے آتے ہی حملہ کر دیا تھا۔ اور اس شدت سے حملہ کیا تھا کہ رومی عیسائیوں کی صفیں الٹ دیں تھیں۔

حضرت عبدالرحمنؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہما خلیفہ اول کے صاحبزادہ تھے نہایت بہادر اور جوشیلے تھے۔ انھوں نے آتے ہی عیسائی سواروں پر حملہ کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

چونکہ اب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لئے میدان جنگ میں ہر طرف خون آشام تلواریں اٹھتی اور اٹھ اٹھ کر جھکتی نظر آرہی تھیں۔ ہر طرف نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی عیسائی نہایت زور شور سے گلے پھاڑ پھاڑ کر غل مچا رہے تھے۔ اور جوش میں آ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان نہایت استقلال، ثابت قدمی، جرأت مگر خاموشی سے لڑ رہے تھے۔ تلواریں برابر کاٹ کر رہی تھیں اور جنگ کو قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ تمام زمین خون سے سرخ ہوتی چلی جا رہی تھی۔

عیسائیوں پر اب بھی ہراس ماری نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اب تک بھی ان کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ اب بھی اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کا فاقہ کر ڈالیں۔ لیکن باوجود ان کی انتہائی کوشش کے بھی ان کا فاقہ نہ ہوتا تھا بلکہ مبدم ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔

عبدالرحمنؓ اور ان کے دستہ نے عیسائی سواروں کو کھیرے اور لکڑی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور عیسائی بے تحاشا قتل ہوتے جا رہے تھے۔

ابھی جنگ ہو رہی تھی کہ پھر اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی اور ضرارؓ اور قیسؓ نے مع ایک ہزار مجاہدین کے اس شدت سے حملہ کیا کہ عیسائیوں کی صفیں الٹ گئیں۔ ان لوگوں کا رخ عیسائیوں کے پیدل دستوں کی طرف ہو گیا۔ ان کے گھوڑوں نے انھیں کچلنا اور انہوں نے تلواروں سے قتل کرنا شروع کر دیا۔

جنگ کی آگ نہایت تیزی سے بھڑک اٹھی اور اس کے شعلوں میں ہر وہ شخص آگیا جو وہاں پر موجود تھا۔

اگرچہ عیسائی بڑی تیزی سے اور ہر محاذ پر قتل ہو رہے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے ابھی تک ان کو یہ خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں گے

حالانکہ مسلمانوں نے انھیں اس طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ جس طرح لکڑی یا راجندہ کی شاعلوں کو کاٹ کاٹ کر گرانے لگتا ہے۔

جنگ کی آگ دم بہ دم پھیلتی اور بھڑکتی جاتی تھی۔ اور اس آگ میں عیسائی جل رہے تھے جہاں سے جہاں تک نظر جاتی تھی۔ تلواروں کا کھیت آگا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ہر شخص نہایت سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔

اب نہایت گرج کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ اس وقت عیسائی اور مسلمان کچھ ایسے لڑائی میں مشغول ہو رہے تھے کہ کسی نے بھی آنکھیں اٹھا کر یہ نہ دیکھا کہ اب کون آیا ہے۔

یہ حضرت خالدؓ تھے۔ جو مع تمام لشکر کے آگے تھے۔ ان کا لشکر چاروں طرف پھیل گیا اور تلواریں سونت سونت کر بھوکے شیروں کی طرح عیسائیوں پر جا ٹوٹا۔

خود حضرت خالدؓ کو کمال جوش اور عنفیت تھا۔ انھوں نے بھی نہایت شدت سے حملہ کر دیا۔ جس صف پر ٹوٹے اسے الٹ دیا۔ جس گروہ پر حملہ کیا اسے قتل کر ڈالا۔ وہ ملتے کھٹتے اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں ضرارؓ نیزہ لٹے عیسائیوں کو قتل کرتے پھر رہے تھے۔

ضرارؓ صرف ایک تہہ بند باندھے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔ اور دائیں بائیں اُدھر سامنے جلدی جلدی نیزہ مارا کر عیسائیوں کو ہلاک کرتے پھر رہے تھے۔

ان کے گھوڑے کا ہر قدم بولس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بولس انہیں جانتا تھا۔ ان کی بہادری کے کارناموں سے واقف تھا۔ وہ انہیں شیطان کہا کرتا تھا۔ ان سے بے حد ڈرتا تھا۔ جب اس نے انہیں اپنے قریب آتے دیکھا تو گھبرا گیا اور گھوڑا لوٹا کر بھاگ گیا۔ اتفاق سے جس طرف وہ بھاگ رہا تھا۔ اس طرف ابو عبیدہ جنگ کر رہے تھے۔ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اسی عرصہ میں حزار بھی وہاں آ گئے۔ بولس انہیں دیکھتے ہی زرد پڑ گیا گانپنے لگا اس نے ابو عبیدہ سے مخاطب ہو کر کہا: ”یا شیخ مجھے اس شیطان سے بچاؤ“

بولس عربی خوب جانتا تھا۔ اس نے عربی میں ہی بات کی تھی۔ حزار نے بھی سن لی۔ انہوں نے کہا: ”بولس! اگر آج میں نے لڑائی میں کمی کی تو اسے بولس بے شک میں شیطان بلکہ اس سے بھی بدتر ہوں۔ لیکن اطمینان رکھ میں بالکل کوتاہی نہ کروں گا۔ مردود ازی! تیری موت تیرے سر پر گھورنے لگی ہے“

بولس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا: ”رحم کرو۔ عربی بہادر! مجھ پر رحم کرو“

حزار نے نیزہ تولتے ہوئے کہا: ”رحم! بدکار عیسائی! ابھی سے رحم رحم چلانے لگا کتے کی موت کیوں مرتا ہے۔ تلوار اٹھا اور بہادری کی موت مر۔“

بولس: ”آہ! میں تم سے ڈرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ نہیں لڑ سکتا۔“

حزار: ”بس تو مرنے کے لئے تیار ہو جا۔“

بولس: ”نہیں مجھے نہ مارو۔“

حزار: ”نجیت! خدا کی قسم میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

بولس: ”مگر میری زندگی پر تمہاری عورتوں اور بچوں کی زندگی کا انحصار ہے۔“

بولس نے اس وقت ایسی بات کہی جو بالکل ٹھیک تھی۔ حزار سوچنے لگے حقیقت یہی تھی کہ اگر بولس کو زندہ رکھا جاتا تو مسلم عورتوں اور بچوں کی واپسی کی توقع کی جاسکتی تھی۔ لیکن وہ اسے لٹوڑا لٹکا قسم کھا چکے تھے۔ اس وقت انہیں کشمکش نے آگھیرا۔

ابو عبیدہ کھڑے ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے وہ سمجھ گئے کہ حزار اپنی قسم پر پس و پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: ”حزار! اس بولس کو گرفتار کر لو اور دیکھو کہ پردہ

غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔“

حزار نے کہا: ”بہت خوب“

بولس نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور حزار نے اسے ریشم کی ڈور سے جکڑ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور پھر عیسائیوں پر نیزہ سے حملے شروع کر دیئے۔

جنگ اب بھی نہایت زور شور کے ساتھ ہو رہی تھی۔ لیکن اب عیسائیوں کے کس بل لکل چکے تھے۔ ان کی تعداد زیادہ مار ڈالی گئی تھی اور بہت کم باقی رہ گئی تھی۔

مسلمان انہیں چاروں طرف سے گھیر گئے قتل کر رہے تھے۔ شجور کی تمام زمین سرخ ہو گئی تھی۔ جگہ جگہ خون کے دریا بہہ بہہ کر ختم گئے تھے۔ لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں عیسائیوں کے قدم اکٹڑ گئے۔ وہ نہایت ہی بدحواس ہو کر بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس قدر قتل کیا کہ خود ہزار میں سے صرف سو سوار بھاگ کر اپنی جانیں بچا کرے جا سکے۔

پانچواں باب

بہادر خواتین

بطرس دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ مسلمان عورتوں اور بچوں کو لے کر روانہ ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ سب پیدل جا رہے تھے۔ اس لئے عورتوں کو تو نہیں مگر بچوں کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ مسلمان عورتیں چلنے پھرنے اور لڑنے کی عادی تھیں۔ اگر عادی نہ بھی ہوں تب بھی کافی مضبوط اور طاقتور تھیں۔ دس بارہ کوس تو نہایت آسانی سے چلی جاتیں۔ لیکن بچے جو نہایت کم سن تھے ان سے چلنا دشوار تھا۔

شعور سے نہر استرالیق تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر تھی۔ معصوم اور بچوں جیسے بچوں سے اتنا فاصلہ طے کرنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن تھا۔

چنانچہ ایک ایک دو دو میل تو وہ حسب قوت و طاقت چلے مگر آگے نہ چلا گیا۔ پیر ڈگمگانے لگے۔ اور وہ حسرت سے اپنی بہنوں اور ماؤں کا منہ دیکھنے لگے۔

لیکن یہ چھوٹے بچے بھی اس قدر صابر تھے کہ اگرچہ تھک کر چور ہو گئے تھے۔ مگر نہ روتے تھے نہ شکایت کرتے تھے۔ ہاں حسرت بھری لگا ہوں سے عورتوں کو دیکھ رہے تھے۔

بچوں کی یہ کیفیت دیکھ کر عورتیں ٹپ گئیں۔ ان کے سینے اٹھنے لگے۔ خولہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے بطرس سے کہا۔ ”بے رحم انسان! اگر قصور وار ہیں تو ہم لیکن ان

معصوم بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ ان پر تو ترس کھاؤ۔“

بطرس عربی اچھی طرح جانتا تھا اس نے خولہ کو دیکھا۔ خولہ نہایت خوب صورت اور حسین تھیں۔ اس نے ان کے چہرہ انور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”عربی اور تم چاہتی کیا ہو؟“

خولہ کو اس کا اس طرح مخاطب کرنا نہایت ناگوار گزرا لیکن مجبور تھیں۔ وہ اور تمام عورتیں ریشم کی ڈوروں میں بندھی ہوئی تھیں کچھ کر ہی نہ سکتی تھیں، اس لئے ضبط کر گئیں۔ انہوں نے کہا۔ ”ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہاتھ کھول دو تاکہ ہم ان بچوں کو اپنے گود میں اٹھا کر لے چلیں۔“

بطرس، لیکن میں نے سنا ہے کہ تم عورتیں بھی مردوں کی طرح لڑتی ہو۔

خولہ، اور یہ تو نے سچ سنا ہے مگر ہم اس وقت نہتے ہیں۔ کیسے لڑ سکتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس ہتھیار ہوتے تو تم ہم میں سے ایک عورت کو بھی گرفتار نہ کر سکتے تھے۔ بطرس، تمہیں اس وقت جوش آ گیا ہے اور اس جوش سے تمہارا چہرہ اور بھی چمکنے لگا ہے۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے اور اس لئے میں تمہاری بات ٹال نہیں سکتا۔ خولہ کا چہرہ قرطیظ و غضب سے اور بھی سرخ ہو گیا۔ لیکن بطرس نے خیال نہیں کیا اس نے سپاہیوں سے کہا۔ ”تمام عورتوں کو کھول دو۔“

اس لشکر کا ایک سردار کھوس نامی تھا۔ اس نے کہا۔ ”حضور ابا و غضب نہ کیجئے۔ انہیں عورتیں نہ سمجھئے۔ یہ شیرنیاں ہیں۔“

بطرس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”یہ چند عورتیں ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں؟“

کھوس، حضور مسلم عورتیں آتش کا پر کالہ ہوتی ہیں۔

بطرس، کچھ نہیں میں نے حکم دے دیا ہے سب کو کھول دو۔

سپاہیوں نے تمام عورتوں کی بندشیں دور کر دیں۔ کھوس نے ام ابان کی بندشیں کھولیں

اس نے آہستہ سے ان سے کہا۔ ”رخصت قمر و شیراز، میں تم پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ میرے

ساتھ کرنا۔ میں اعلیٰ مرتبہ سردار ہوں، تمہارے لئے ہر آرام مہیا کر دوں گا۔“

ام ابان کو طرارہ آگیا۔ انھوں نے زور سے اس کے منہ پر ٹھانچہ مارا۔ اور جوش میں
 اگر کہا: "سکھنے: تو ایک مسلمان دشمن سے ایسی بات کہنے کی جرأت کرتا ہے۔"
 کلوں کو بڑا غصہ آیا۔ لیکن وہ چپ ہو گیا۔ اور ان کے پاس سے چلا گیا۔
 عیسائیوں نے عورتوں میں سب کو روکا کر دیا۔ مگر ابن سعید کی ہنسیاں دور نہ گئیں۔ انھیں
 بدستور باندھے رکھا۔ مردوں میں سے صرف ایک ابن سعید ہی گرفتار ہوئے تھے۔ انھوں
 نے ام ابان کو طرارہ مارتے دیکھ لیا تھا۔ وہ کچھ گئے تھے کہ آدمی نے کوئی ایسی بات کہی ہے
 جس سے حور دش ام ابان کو غصہ آگیا اور انھوں نے اس کے منہ پر ٹھانچہ مارا۔ انھیں غصہ تو
 بہت آیا۔ مگر کیا کر سکتے تھے، بندھے ہوئے تھے۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے تھے۔
 جب تمام عورتیں رہا ہو گئیں تو انھوں نے معصوم اور تھکے ہوئے بچوں کو گودوں میں اٹھا
 لیا اور نہایت بے تکلفی سے چلنے لگیں۔
 آخر جوں توں کر کے وہ نہراستریاق کے کنارے پہنچیں۔ یہاں عیسائیوں کے کچھ
 غصے کھڑے تھے۔ کچھ دیے ہی پڑے تھے۔
 یہاں پہنچ کر بطرس اور سردار تو خیموں میں گھس گئے اور سپاہی کھول کھول کر گھاس پر
 پڑ گئے۔ وہ انتظار کرنے لگے۔ بولیں اور اس کے لشکر کی واپسی کا۔
 مسلم عورتوں اور بچوں کو پڑے ہوئے خیموں اور چربوں کے پاس بٹھا دیا۔ اور ان کے
 گردان سے ذرا فاصلہ پر سپاہی پڑ گئے۔
 چونکہ بچے اور عورتیں تھک گئیں تھیں۔ اس لئے وہ بیٹھ کر سستانے لگیں۔ جب فرازم
 راستہ ہوئے اور پسینہ خشک ہوا۔ تب خولہ نے کہا: "اے مسلمان عورتوں اور بچوں کو کیا تمام
 اس بات کو پسند کرتی ہو کہ یہ عیسائی کہتے تمہیں دشت سے جا کر اپنی بیویاں بنالیں۔
 عفیرہ نے کہا: "ہم اس ننگ سے مرجانا اچھا سمجھتے ہیں۔
 ام ابان: "بے شک یہاں اس غار سے مرجانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔
 سلمیٰ: "اگر مجھ سے پوچھو تو میں ان بد نظر عیسائیوں کا منہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی۔
 خولہ: "جب یہ بات ہے تو تیار ہو جاؤ۔"

ام ابان: "ہم تیار ہیں
 عفیرہ: "مگر ہمارے پاس ہتھیار تو ہیں ہی نہیں۔
 خولہ: "خوش قسمتی سے خیموں کی چوبیس یہاں پڑی ہیں انھیں اٹھاؤ اور عیسائیوں پر
 ٹوٹ پڑو۔ یہ تو امید نہیں کہ زندہ بچو گی۔ لیکن عزت کی موت مرو گی۔ اور اسلامی دنیا قیامت
 تک تمہارے کارنامے بڑھ بڑھ کر تمہیں دعائیں دے گی۔
 ام ابان: "بے شک ہمیں حرمت اسلام پر مرنے کے لئے تیار ہونا چاہیے۔
 عفیرہ: "ہم تیار ہیں۔
 خولہ: "اچھا تو اٹھاؤ چوبیس اور حملہ کرو۔
 تمام عورتیں اور لڑکیاں اٹھیں اور چوبیس کھینچ کھینچ کر کندھوں پر رکھ کر ان عیسائیوں کی طرف
 پڑھیں جو بڑی بے فکری اور اطمینان سے گھاس پر پڑے لوٹ رہے تھے۔
 وہ ان شیرنیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر نہایت حیران ہوئے اور پڑے ہی پڑے
 انھیں دیکھنے لگے۔
 ان بیٹھ کر خواتین نے ان کے پاس جاتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ اور اتنے وہ اٹھیں
 اتنے کئی عیسائیوں کے بھیجے توڑ ڈالے۔
 اب تو عیسائی گھبرا گئے اور شور و غل کر کے تلواریں سوتے لگے۔
 بطرس: "کلوں اور دوسرے سردار یہ ہنگامہ سن سن کر اپنے اپنے خیموں سے باہر
 نکل آئے۔ باہر نکلتے ہی جب انہوں نے دیکھا کہ عورتوں نے خیموں کی چوبیس لے لے کر
 حملہ کر دیا ہے۔ تو سب کے سب کمال متحیر ہوئے۔
 کلوں نے بطرس سے کہا: "حضور! کیا میں نے نہ کہا تھا کہ یہ مسلم عورتیں شیرنیاں ہیں
 انھیں آزاد نہ کیجئے۔ دیکھ لیجئے اب انھوں نے کیا ستم برپا کر دیا ہے اور کچھ نہ بچا تو خیموں کی
 چوبیس ہی اٹھا کر حملہ کرنے لگیں۔
 بطرس: "ان کی بہادری نے واقعی مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ دیکھو عیسائیوں نے
 ان پر تلواروں سے حملہ کر دیا ہے۔ ان میں ایک وہ پری رو ہے جسے میں پیار کرنے لگا ہوں"

اگر وہ زخمی ہو گئی تو میں ایک سپاہی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

کلوں اور حقوڑی بھی تو ایک گل رُو سے محبت کرنے لگا ہوں۔

بطرس : اچھا تو چلو۔ سپاہیوں سے کہو کہ وہ انھیں قتل نہ کریں بلکہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔

کلوں : دونوں اس طرف روانہ ہوئے جہاں عورتیں لڑ رہی تھیں۔

عیسائی تلوار لکائے ان کی طرف حملے کرنے کے ارادے سے بڑھ رہے تھے۔ مسلم

خواتین نے ایک بیضاوی دائرہ قائم کر لیا تھا اور اس دائرے کے اندر بچوں کو لے لیا تھا۔

اور جب کوئی عیسائی ان کی طرف بڑھتا تھا تو وہ پیک کر اس کے سر پر چوب مارتی تھیں۔

اور جلدی جلدی چوبیں مار مار کر اسے گرا دیتی تھیں۔ انھوں نے اب تک کئی سپاہیوں

کو مار ڈالا تھا۔

بطرس، کلوں اور دوسرے سردار اس جگہ پہنچے۔ بطرس نے کہا

”اے مسلم عورتوں ! کیوں اپنی جان ہلاکت میں ڈال رہی ہو؟“

خولہ نے کہا : ”اس لئے کہ ہم مسلم عورتیں ہیں اور مسلمان عورتیں بے عزتی کی زندگی پر

موت کو ترجیح دیتی ہیں۔“

بطرس : مگر تم کیا کر سکو گی؟“

خولہ : ”ہم تمہارے جیسے توڑ ڈالیں گے۔“

بطرس : مگر اے پری پیکر میں تو تمہیں دمشق کی منہ بنانا چاہتا ہوں۔

خولہ : ”اور میں تجھے موت کی آغوش میں پہنچانا چاہتی ہوں۔“

یہ کہتے ہی وہ چوب لے کر اس کی طرف بھڑکیں۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹا۔ اس

نے کہا : ”مجھے اسی خونخوار لڑکی سے بچاؤ۔“

کئی سپاہی بڑھ کر درمیان میں آ گئے۔ خولہ نے ایک سپاہی کے سر میں زور سے

چوب ماری وہ چکر اکر گرا۔

بطرس نے دد کھڑے ہو کر کہا : ”دیکھو انھیں قتل نہ کرو۔ مگر زخمی کر کے گرفتار کرو۔“

اب ہر طرف سے سپاہی بڑھے اور عورتوں پر ٹوٹ پڑے۔ عورتیں گھبراہٹ نہیں بلکہ

برابر چوبیں مار مار کر سپاہیوں کو گرانے لگیں۔ لیکن چوبیں اتنی وزنی تھیں کہ مشکل سے اٹھتی

تھیں اور اس لئے وہ بہت جلد تھک گئیں اور ان کے بازو شل ہو کر رہ گئے۔

پھر بھی وہ بڑی بہادری سے لڑ رہی تھیں۔ اور آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ غفرہ

نے بچوں سے کہا : ”بچو ! خدا سے مدد کی دعا مانگو!“

جلدی سے معصوم بچوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اٹھا کر کہا : ”اے ہمارے

خدا ! اپنی مدد بھیج اور ہماری اعانت کر، ہمیں ان سب کو دشمنوں سے بچاؤ۔“

ابھی ان کی دعاؤں کے الفاظ فضا میں گونج رہے تھے کہ اللہ اکبر کے نعرے کی پر زور

آواز آئی۔

تمام عورتیں اور بچے اور سارے عیسائی نظریں اٹھا کر دیکھنے لگے سامنے سے

مسلمان گھوڑے دوڑا کر آتے نظر آئے۔ بچوں نے خوش ہو کر کہا : ”اے ہمارے خدا نے مدد

بھیج دی۔ اب ہم بچ جائیں گے۔ کیسا اچھا ہے ہمارا خدا۔“

عورتوں نے بھی خوش مسرت سے سرشار ہو کر نعرہ لگایا۔ اور آنے والے مسلمانوں

کو دیکھنے لگیں۔ عیسائی بھی دیکھنے لگے۔ مسلمان نہایت تیزی سے دوڑتے چلے آ رہے

تھے۔ بطرس اور کلوں بھی گھبرا گھبرا کر دیکھنے لگے۔

ابوعبیدہؓ : ممکن ہے دشمن تک جانا پڑے۔

خالدؓ : مجھے یقین ہے کہ میں انہیں دشمن سے اسی طرف جا پکڑوں گا۔

ابوعبیدہؓ : پھر بھی احتیاطاً زیادہ لشکر لے جائیے۔

خالدؓ : اچھا ایک ہزار سہی۔

ابوعبیدہؓ : ایک ہزار بھی کم ہے اچھا دو ہزار لے جائیے۔

خالدؓ : بہت اچھا۔

خالدؓ نے دو ہزار لشکر علیحدہ کر لیا اور حذرؓ، رافع اور میسرہؓ کو اپنے ساتھ لے لیا

ابوعبیدہؓ باقی پچاس ہزار لشکر لے کر اجنادین کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ جا رہے

تھے تو خالدؓ مع دو ہزار مجاہدین کے نہراستراپاق کی طرف چل پڑے۔ چونکہ وہ جلد سے جلد

اس لشکر تک پہنچنا چاہتے تھے۔ جو عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گیا تھا اس لئے

نہایت تیزی سے چلے جا رہے تھے۔

یوں تو محذرات عرب کے گرفتار ہو جانے کی وجہ سے تمام ہی مسلمانوں کو رنج و غم

تھا۔ لیکن سب سے زیادہ ملال حذرؓ کو تھا۔

حذرؓ اپنی بہن خولہؓ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ شاید کوئی بھائی کسی بہن سے کرتا

ہو۔ وہ جو کچھ مال غنیمت لاتے تھے سب خولہؓ کو دے دیتے تھے۔ اپنے پاس ایک

جیب بھی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ یہ چاہتے تھے کہ ساری دنیا کی دولت ان کے قدموں پر لا کر

ڈال دیں۔

خولہؓ کو بھی اپنے بھائی سے اس درجہ محبت تھی کہ اگر انہیں باہر سے آنے میں دیر

ہو جاتی تھی۔ تو وہ گھبرا اٹھتی تھیں۔ اور جب وہ میدان جنگ میں لڑنے جاتے تھے تو ان

کی واپسی تک ان کے لئے دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

اگرچہ وہ حذرؓ سے چھوٹی تھیں لیکن حذرؓ ہمیشہ اور ہر معاملہ میں ان سے مشورہ لیا

کرتے تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خولہؓ کم سن اور خوبصورت تھیں لیکن اسی کمسنی میں وہ حلیم اور بڑی

حملہ

جب شحور کے میدان میں عیسائیوں کا ستھراؤ ہو گیا اور چودہ ہزار لشکر حذرؓ میں سے صرف

سوسوار ہی زندہ جا سکے تو مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے۔ ابوعبیدہؓ، خالدؓ کے پاس آئے

انہوں نے کہا: "اے اباسلیمان! (حضرت خالدؓ کی کنیت ہے) یہ تمہاری رائے کہ تم عورتوں

کے ساتھ رہو نہایت مناسب تھی۔

خالدؓ نے کہا: "مگر خدا کو تو یہ منظور تھا جو پیش آیا۔ ہم سب قضا و قدر علوم ہیں۔

اس لئے وہی کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہے۔ اچھا اب آپ تمام لشکر لے کر اجنادین کی طرف

روانہ ہو جائیں۔"

ابوعبیدہؓ: اور آپ شاید عورتوں کو چھڑانے کے لئے جانا چاہتے ہیں۔

خالدؓ: جی ہاں

ابوعبیدہؓ: اپنے ساتھ کس قدر لشکر لے جانے کا ارادہ ہے؟

خالدؓ: صرف پانچ سوسوار

ابوعبیدہؓ: نہیں یہ کم ہیں

خالدؓ: اور کس قدر لے جاؤں

ابوعبیدہؓ: کم سے کم پانچ ہزار

خالدؓ: اس قدر لشکر کی کیا ضرورت ہے؟

سمجھ دار تھیں۔

ان کا کہنا ایسا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی لڑکیوں کی طرح کھیلتی، کھاتی اور
موتیں مگر یہ بات نہ تھی وہ کھیل کود کو بے حد برا سمجھتی تھیں۔ بے کار پڑا رہنا بھی اچھا نہ
نہ معلوم ہوتا تھا ہر وقت کسی نہ کسی کھیل میں مشغول رہتی تھیں۔
کبھی اپنے یا بھائی کے کپڑے سینے لگتیں۔ کبھی میلے کپڑے دھونے لگتیں اور جب
کچھ بھی کام نہ ہوتا تو صرافے کے ہتھیا ہی صیقل کرنے لگتیں۔

غرض کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کی صحت اچھی تھی اور صحت اچھی
ہونے کی وجہ سے چہرہ کارنگ و روغن نکھرتا جاتا تھا اور وہ دن بدن خوب صورت ہوتی جاتی تھیں
ساتھ ساتھ ان میں جوش جہاد بھی بڑھتا جاتا تھا۔ اور جب بھی موقع آتا تھا تو وہ فوراً لڑائی
کی آگ میں کود پڑتی تھیں۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ زخمیوں کی سرچشم پٹی کر دیا کرتی تھیں۔ بیماروں اور مجروحوں کی تیمارداری
نہایت دل سوزی سے کرتی تھیں۔
ان کی یہ باتیں تمام مسلمانوں کو معلوم تھیں اور سارے مسلمان ان سے بہت زیادہ محبت
کرتے تھے۔

ایک ایسی لڑکی سے صرافہ کو جس قدر بھی محبت ہوتی کم تھی۔ چنانچہ وہ بہت زیادہ
محبت کرتے تھے انھیں ان کی گرفتاری کا بے حد ملال تھا۔
جب کہ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ خالد، رافع اور میسر بن سہیل میں گھوڑا دوڑائے
اڑے چلے جا رہے تھے۔ فرط رنج و قلق سے بے ساختہ ان کی زبان سے اشعار موزوں
ہو ہو کر نکلنے لگے۔

جب انسان کے دل پر کسی واقعہ کا اثر ہوتا ہے تو طبیعت میں موزونی آجاتی ہے اور
اور اس وقت جو کلام اس کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ وہ بہترین کلام کہلاتا ہے۔
چنانچہ صرافہ کی زبان سے جو اشعار نکلنے لگے تمام وہ مسلمان جو ان کے قریب تھے ہنسنے
لگے۔ وہ کہہ رہے تھے۔

”یہ کی کہا تم نے؟“

یَا رَبِّ فَتَرَجَ مَا تَرَجَ مِنْ كَوْهْنِي

اے خدا جو بے چینی ہے اس سے نجات دے۔

وَلَا تَسْتَفِنِي عَامِلًا بِحُورِي

اور مجھے جلدی سے حسرت کے عالم میں موت نہ دے۔

حَتَّىٰ ارَا لِي بِمَنَظَرِي أُخْتِي

یہاں تک کہ میں اپنی آنکھ سے اپنی بہن کو دیکھ لوں۔

ذِكْرُ مُنَاثِي ثُمَّ ذِكْرُ بَعِيْنِي

میری یہی آرزو ہے اور یہی تمنا ہے۔

ان کے ان اشعار کا عالم مسلمانوں پر گہرا اثر ہو رہا تھا۔ ان کے دل مجروح عم ہوتے
جا رہے تھے۔

صرافہ نے پھر کہا

اَسِيْرُ دِيْنَانِي اَتَعْدُوْا قَرِيْبًا مَّحَبَّتِي

اے میرے دوستو تم سب میرے ساتھ دشمن کی طرف چلو۔

عَسَىٰ اَنْ اَلَا يَعْصِي وَهْنِيْعَا

قریب ہے کہ میں اپنی مراد کو پہنچوں

اِنْ لَمْ قَاتِلْ فَا حَلَفُوا لِي عَجِي

اگر میں نہ لڑوں تو تم میری داڑھی مونڈ ڈالنا

اس آخری مصرعہ پر حضرت خالد کو بے اختیار ہنسی آئی۔ انھوں نے کہا۔

صرافہ نے کہا: ”ایک مسلمان کو سب سے عزیز داڑھی ہوتی ہے۔ حضور رسول خدا

نے اس کی بڑی حرمت بیان کی ہے۔ میں داڑھی منڈوانے کو حد درجہ معیوب اور گناہ

کی بابت سمجھتا ہوں۔ اسی لئے میں آپ کے سامنے آپ کو گواہ بنا کر کہہ رہا ہوں۔ اگر

میں دشمنوں سے لڑائی میں کوتاہی کروں تو میری داڑھی مونڈ کر لیجئے رسوا کرنا۔

ذرا دھڑکی موندانے والے غور کریں۔ ایک قرون اولیٰ کے مسلمان تھے۔ جو دھڑکی موندانے کو غیب اور گناہ سمجھتے تھے۔ ایک ہم مسلمان ہیں۔ جو غور بالہ دھڑکی رکھنا عیب اور گناہ سمجھتے ہیں۔ کس قدر انوس ناک بات ہے اور کیسی شرم آفریں۔

مسلمان تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ کی تقلید کرے۔ جو ذرا بھی اس راستہ سے ہٹتا ہے۔ وہ کیسے مسلمان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟
خالدؓ نے کہا: "انسوس نہ کرو صراٹھ۔ انشاء اللہ ہم دشمنوں کو جا پکڑیں گے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو چھڑا دیں گے۔"

صراٹھ نے کہا: خدا کی ذات سے امید تو مجھے بھی یہی ہے۔ اگر مجھے یہ امید نہ ہوتی اور یہ یقین ہو جاتا کہ میری بہن نجد سے اب نہ مل سکے گی تو فرط رنج و قلق سے میرا کلیجہ الٹ جاتا اور دل ماؤف ہو کر بیٹھ جاتا۔

اگرچہ یہ لوگ بائیں کرتے جارہے تھے۔ لیکن ان کی رفتار میں کمی نہ آتی تھی۔ بلکہ برابر گھوڑا دوڑائے اڑے چلے جارہے تھے۔

مقوڑی ہی دیر میں وہ نہراستریاق کے قریب پہنچ گئے۔ انھوں نے دور سے گرد و سنبھاراڑتے دیکھا۔ خالدؓ نے کہا: "خدا کا شکر ہے ہم ناکس عیسائیوں کے قریب پہنچ گئے۔" صراٹھ نے خوش ہو کر کہا: "ہاں احسان ہے خدا کا۔ بڑھو ذرا اور تیزی سے بڑھو سب نے اور بھی گھوڑوں کو تیز کر دیا۔ جب وہ اور قریب پہنچے تو انھوں نے شور و غل کی آواز سنی۔ خالدؓ نے کہا: "شاید عورتوں نے جنگ شروع کر دی۔"

واقعہ: میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ مسلم عورتیں کبھی بھی ہار نہیں رہ سکتی تھیں۔
خالدؓ: آؤ تو ذرا تیز چلیں

انھوں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ اور جب وہ ان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ تب انھوں نے عورتوں کو چوبیس لئے چلے کرتے دیکھا۔

اور قریب پہنچ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر جوش، پُر شور نعرہ لگایا۔ یہی وہ نعرہ تھا۔ جسے سن کر عورتوں نے نعرہ کی تکرار کی تھی اور عیسائی حیران ہو کر دیکھنے لگے تھے۔

خالدؓ نے کہا: "شیر دل بہادرو! ان عیسائیوں کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ اور کوشش کرو کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ جانے پائے۔
چنانچہ تمام مسلمان متفرق ہو کر عیسائیوں پر جا پڑے۔ عیسائی سنبھل گئے۔ اور انھوں نے تلواریں سونت سونت کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔"

ساتواں باب

قسم

مسلمانوں کے آنے اور آتے ہی لڑنے سے خاتونان عرب کے حوصلے بڑھ گئے
چونکہ عیسائی زیادہ تر پٹ کر مسلمانوں کے مقابلہ میں جا پہنچے تھے۔ اس لئے اب ان شیر
دل خاتونوں کی طرف بہت کم لوگ رہ گئے تھے۔

عفیرہؓ نے ذرا بلند آواز سے کہا: ”اے عرب کی شیر دل عورتو! تم حرمت اسلام پر
کٹ مرنے کے لئے تیار ہو گئیں تھیں۔ خدا نے تم پر رحم کر کے مدد بھیج دی۔ بڑھو، حملہ کرو
اور ان بزدل عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ دیکھو مسلمان مردوں نے آتے ہی جنگ
شروع کر دی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم لڑنے سے جی چر کر دشمنوں کے
خوف سے موت کے ڈر سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یہ بڑے عار کی بات ہے مسلم عورتیں
اس عار کو برداشت نہیں کر سکتیں۔“

خولہؓ نے کہا: یہ تو آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ خدا کی قسم جوش و غیرت
سے میرا خون جسم میں کھول رہا ہے۔ جب تک میں دشمنوں کا خون نہ بہا لوں گی۔ مجھے
چین نہ آئے گا۔

عفیرہؓ: غیرت..... غیرت کس بات کی ہے؟

خولہؓ: پیاری بہن۔ تم نے وہ الفاظ شاید نہیں سنے جو اس لشکر کے سردار نے
مجھ سے کہے تھے۔

عفیرہؓ: نہیں میں نے نہیں سنے۔

خولہؓ: اور نہ میں انہیں اپنی زبان سے ادا کر سکتی ہوں۔

عفیرہؓ نے مسکرا کر کہا: ”میں سمجھ گئی۔“

خولہؓ: ان الفاظ سے میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ایسی آگ کہ اگر میں
نے اس دشمن خدا کو اپنے ہاتھوں سے نہ مارا تو شاید یہ آگ خود مجھے جلا ڈالے۔

عفیرہؓ: ہم بے بس تھے، مجبور تھے، اگر اس وقت اس نے کچھ کہہ دیا تو اس
کا مال نہیں کرنا چاہیے۔

خولہؓ: ملال.....؟ جس وقت میں ان الفاظ کو یاد کرتی ہوں میرے
دل میں نشتر سے چبھ جاتے ہیں۔ انتقام لوں گی، انتقام..... خدایا!

خولہؓ کا چہرہ جوش و غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ تمام عورتیں اور لڑکیاں ان کا متمایا ہوا
چہرہ اور بجلیاں گرا لے والی آنکھیں دیکھ دیکھ کر حیران و ششدر ہو رہی تھیں۔
عفیرہؓ نے کہا: یہ کیسی دعا مانگی تم نے؟

خولہؓ: حقیقت میں اب تک میں ضبط کر رہی تھی۔ لیکن اب عنانِ صبر پھوٹ گئی
سوچو تو بہن! کیا ایک مسلمان لڑکی کسی اوباش کے نامناسب الفاظ برداشت کر سکتی ہے؟
نہیں ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم نہیں۔ مرجائے گی۔ مگر ایسی بات نہ سنے گی۔ جس سے اس
کی عزت پر حرف اٹکا ہو۔ میں اسے یا تو مارنا چاہتی ہوں یا مرجانا۔ میں قسم کھاتی ہوں۔
خدا کی قسم جب تک وہ مارا نہ جائے گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گی۔ اسے قتل کروں گی اور ضرور
قتل کروں گی۔ خدا میری قسم کی لاج رکھے۔

خولہؓ اس قدر غصہ میں بھری ہوئی تھیں کہ کبھی مٹھیاں کھولتی تھیں اور کبھی بند کر لیتی تھیں
ان کے قسم کھانے سے سب کو فکر ہوئی۔ ام تمیثمؓ نے کہا: ”خولہؓ تم نے بڑی زبردست
قسم کھائی ہے۔ اب ہمارا فرض ہو گیا ہے کہ ہم اس مردود کو واپس جہنم کریں۔ آؤ بہنو اور

بیٹھو جھڑکرو۔

یہ کہتے ہی ام تمیم شیرنی کی طرح بڑھیں۔ ان کے پیچھے تمام عورتیں اور لڑکیاں چلیں۔
سب جوش میں بھری ہوئی تھیں۔

یہ خیال رہے کہ یہ عورتیں اب تک چوبیس اٹھائے ہوئے تھیں۔ اور چوبیس کو لئے ہوئے
ہی لڑے جا رہی تھیں۔

ام تمیم نے بڑھ کر ایک عیسائی پر حملہ کیا۔ اس نے تلوار پر ان کی چوب روکی لیکن ابھی
وہ متبھلا بھی نہ تھا۔ کہ خولہ نے چوب ماری جو اس کے سر پر پڑی اور چکر اکر گرا۔ گرتے ہی
عفیرو نے اس کی پیشانی پر ضرب ماری جس سے اس کا بھیجا کھیل کھیل گیا۔

اس عرصہ میں خولہ نے دوسری عیسائی پر حملہ کر دیا۔ اس نے ڈھال پر ان کا وار
روکا۔ ان کے قریب سسلی تھی۔ اس نے جلدی سے اس کی ٹانگوں میں ضرب ماری وہ گرا
گرتے ہی خولہ نے اس کا سر کچل دیا اور وہ ٹرپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

ایک طرف سے عورتیں اس شان سے لڑتی ہوئی بڑھ رہی تھیں دوسری طرف
مسلمان نہایت جوش اور بڑی دلیری سے عیسائیوں کو قتل کرتے، گھوڑوں کی ٹاپوں سے
کچلتے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

عیسائی ٹھوڑھل کر رہے تھے۔ زخمی چلا رہے تھے۔ ان اودھ موڑوں سے میدان تمام
گوچ رہا تھا۔ نہ صرف میدان گوچ رہا تھا۔ بلکہ دور تک آواز جا رہی تھی۔
مسلمان نہایت خاموشی اور استقلال سے جوش و غضب میں آکر حملہ کر کے انھیں
ٹھکانے لگا رہے تھے۔

اگرچہ عیسائی بھی پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور نہایت غضب ناک ہو
جو کر چلے کر رہے تھے۔ لیکن وہ پیدل تھے اور مسلمان سوار تھے۔ دوسرے ان کی اور
مسلمانوں کی تعداد برابر تھی اس لئے ان کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ مسلمان گویا لوہے کے
بن گئے۔ ان کے جسموں پر ان کی تلواروں کا اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ اور مسلمانوں کی
تلواریں انھیں خشک درختوں کی طرح کاٹ کاٹ کر گرا رہی تھیں۔

ہر مسلمان کمال جوش و غضب میں بھر ہوا لڑ رہا تھا۔ نہ صرف لڑ رہا تھا بلکہ عیسائیوں
کو قتل کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے قتل کرنے اور عیسائیوں کے قتل ہونے سے ایسا معلوم ہوتا تھا
جیسے مسلمان قتل کرنے اور عیسائی قتل ہونے ہی کے لئے ہیں۔

جہاں تک عیسائی پھیلے تھے وہیں تک مسلمان بھی پھیل گئے تھے اور ان کی خون آشام
تلواریں خون ریزی کر رہی تھیں۔ اٹھاپیر، سر اور دھڑکٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون
پانی کی طرح بہنے لگا تھا۔ جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ اودھ اور سردق العسبی
دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ اور دونوں کی تلواریں غضب کی کاٹ کر رہی تھیں۔ جس کے اوپر
حملہ کرتے تھے۔ اس کا سر اڑا لے بغیر نہ چھوڑتے تھے جس گروہ پر ٹوٹتے تھے اس کے
تمام آدمیوں کو قتل کر کے ڈال دیتے تھے۔ ان کی تلواریں موت کی گرم بازاری کر رہی تھیں۔

خالد اور مرزہ یہ دونوں گھوڑوں کی باگیں ملائے مزار نیزہ سے اور خالد تلوار سے
دشمنوں کو کاٹ کاٹ کر ڈال رہے تھے۔ دونوں جوش و غضب میں بھرے ہوئے نہایت
پھرتی اور تیزی سے چلے کر رہے تھے۔ ایسی تیزی سے جیسے انھوں نے تہیہ کر لیا ہو کہ سارے
عیسائیوں کو وہی قتل کر کے رہیں گے۔

جس صف پر حملہ کرتے تھے۔ اس کے سپاہیوں کو قتل کر کے بچھا دیتے تھے۔ جو
ان کے سامنے آجاتا تھا۔ اسے مار ڈالتا تھے۔ ایک طرف خالد کی تلوار کشتوں کے پشتے لگا
لگا رہی تھی۔ اور دوسری طرف مرزہ کا نیزہ لاشوں پر لاشیں بچھا رہا تھا۔

یہ دونوں مارے کاٹتے اس طرف لکل گئے جس طرف عورتیں لڑتی ہوئی بڑھتی چلی آ
رہی تھیں۔

اس وقت عورتیں ادھر ادھر سامنے اور پیچھے سب طرف چلے کر رہی تھیں۔ اور دو
دو تین تین لپٹ کر ایک ایک دو دو عیسائیوں کو مار ڈالتی تھیں۔

ام ابان اگرچہ سب سے کم سن تھیں لیکن سب سے زیادہ جوش سے لڑ رہی تھیں
باوجود نازک ہونے کے وہ بڑھ کر حملہ کرتی تھیں اور جب وہ جس پر بھی حملہ کرتی تھیں۔
وہ گر جاتا تھا اس کے گرنے پر وہ پیچھے ہٹ کر اپنی ساتھیوں میں آ جاتی تھیں۔ اب تک

نے اسے دیکھتے ہی اس پر حملہ کیا۔
 ٹھیک اس وقت جب کہ وہ حملہ کر رہی تھیں۔ مزار اور خالہ آگئے۔ خولہ رک گئیں۔
 انھوں نے کہا۔ ”ابا بھائی مزار!“
 مزار نے کہا۔ ”آہ بہن خولہ خدا کا شکر ہے تم مل گئیں۔
 خولہ! بھائی مجھے اس ذلیل رومی کتے سے بدزبانی کا انتقام لینا ہے۔
 مزار! آؤ دونوں اس بدکار سے انتقام لیں گے۔
 دونوں بطرس کی طرف بڑھے۔ بطرس ان کی گفتگو سے یہ سمجھ گیا تھا۔ کہ وہ بھائی
 بہن ہیں۔ اس نے مزار سے کہا۔“

اسے عربی برادر! میں تمہاری بہن کو ہمیشہ دیتا ہوں۔“
 مزار نے کہا۔ ”میں تمہارا تحفہ قبول کر کے تمہیں موت کا ہدیہ دینا چاہتا ہوں۔“
 چونکہ مزار اور خولہ دونوں اس کی طرف چلے جا رہے تھے اس لئے اس کے قریب پہنچ گئے
 بطرس نے کہا۔ ”عربی نازنین! تمہیں اپنے بھائی کے پاس جانا مبارک ہو۔“
 خولہ نے چوب اٹھا کر اس کے سر پر مارتے ہوئے کہا۔ ”اور اسے بدکار تجھے موت کے
 آغوش میں جانا مبارک ہو۔“

چوب بطرس کے سر پر پڑی وہ جھکا۔ ساتھ ہی مزار نے حملہ کیا۔ وہ ان کے حملہ سے
 بچنے کے لئے گھوڑے سے نیچے گر گیا اس گے گرتے ہی مزار بھی گھوڑے سے کودے اور اپنی
 پوری قوت سے اس کے چوڑے میں نیزہ مارا جو دوسری طرف پار ہو گیا۔ بطرس نے تڑپ
 تڑپ کر دم توڑ دیا۔ اس طرح خولہ کی قسم کی خدا کا لاج رکھ لی۔

بطرس کے مرتے ہی عیسائیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ بے تحاشا جس کا جس طرف منہ
 اٹھا بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ چونکہ عیسائی پیدل تھے نہ بھاگ سکے۔ اور
 ایک ایک کر کے سب مارے گئے۔

انھوں نے چار پانچ سپاہیوں کو مار ڈالا تھا۔
 کھوس ان کے ساتھ ساتھ لگا پھر رہا تھا۔ جس جگہ وہ پہنچتی تھیں وہ بھی وہیں جا پہنچتا
 اور جب وہ حملہ کرتی تھیں۔ تو وہ انھیں دیکھتا رہ جاتا تھا۔
 دراصل وہ اپنی فکر میں تھا کہ موقع ملے تو ام ابان کو مار ڈالے جائے۔ چنانچہ اس
 نے بہت سے سپاہیوں کو عورتوں کے اس گروہ پر حملہ کرنے کا اشارہ کیا جس میں ام ابان
 بھی تھیں۔

بہت سے سپاہیوں نے اس گروہ پر حملہ کیا۔ اس گروہ میں صرف چھ عورتیں تھیں۔
 ان عورتوں نے نہایت استقلال سے ان کا حملہ روکا مگر ام ابان جوش میں آکر آگے
 بڑھ گئیں۔ کھوس نے فوراً اور سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ ام ابان اور عورتوں کے درمیان
 حائل ہو گئے۔

ام ابان کو اس کی خبر نہ تھی۔ جب وہ پیچھے ہٹ رہی تھیں تو کئی سپاہیوں نے ان کے
 ہاتھ پکڑ لئے اور ایک نے جلدی سے چوب چھین لی۔
 انھوں نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ وہ گھبرا گئیں۔ بے ساختہ ان کی زبان سے چیخ نکلی گئی۔
 عورتوں نے ان کی طرف دیکھا۔ مگر وہ فاصلہ پر تھیں اور ان کے درمیان میں بیسوا
 عیسائی آگئے تھے، اس لئے وہ ان کی مدد نہ کر سکیں۔
 انھوں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے انھیں ایک سواری کی گود میں ڈال دیا۔ اور ان کے
 ہاتھ باندھ کر انھیں بے قابو کر دیا۔

سوار انھیں لے کر چلا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔
 وہ سوار کھوس تھا۔ عورتیں کف افسوس مل کر رہ گئیں۔
 اس گروہ میں ام تمیم بھی تھیں۔ انھیں بے حد رنج ہوا۔ انھوں نے عقدہ میں آکر بڑے
 جوش سے حملہ کیا اور ایک عیسائی کو مار ڈالا۔

جب کہ اس طرف یہ سانحہ گزرا۔ اسی وقت ان سے ذرا فاصلہ پر ایک اور واقعہ ہوا۔
 خولہ جوش و غضب میں لڑتی ہوئی اس جگہ پہنچ گئیں۔ جس جگہ بطرس کھڑا تھا۔ انھوں

آٹھواں باب

جسٹوئے حور

اس خون ریز واقعہ کو ہم نے گذشتہ باب میں تحریر کیا ہے۔ اس میں عورتوں نے صرف خیموں کی چوبوں سے تیس عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ اور تنہا مزار نے بھی تیس ہی عیسائی مارے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر عورتوں کے پاس تلواریں ہوتیں۔ تو شاید وہ اس سے بہت زیادہ دشمنوں کو مار ڈالتیں۔ پھر بھی یہ کارنامہ ان کا کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔

جب عیسائیوں سے میدان صاف ہو گیا تو مسلمانوں نے ان کے ہتھیار جمع کرنا شروع کر دیئے۔ بطرس کا تاج اور چاندی کی زرہ بکتر بھی اتاری۔

مزار نے ابن سعید کو رہا کیا۔ وہ کھوس کے خیمہ میں بندھے پڑے تھے۔ کھوس کا قصد انھیں قتل کر ڈالنے کا تھا۔ انھوں نے رہا ہو کر پہلے خدا کا اور پھر مزار کا شکریہ ادا کیا۔

ابن سعید کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے تمام عورتوں کو رہا کر لیا ہوگا۔ ان کے ساتھ ام ابان بھی رہا ہو گئی ہوں گی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خیال کی تصدیق کے لئے مزار سے دریافت کیا۔

کہنے لگیں اور کچھ سب رہا ہو گئے؟

مزار: میرے خیال میں سب رہا ہو چکے ہیں

ابن سعید: لیکن آپ کو ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہے۔

مزار: نہ میں نے کسی سے یہ بات دریافت کی نہ اتنی فرصت ملی۔ عیسائیوں کا غصہ ہوتا ہے کچھ مسلمان ہتھیار جمع کرنے لگے کچھ سامان اور خیمے اکھاڑ اکھاڑ کر فراہم کرنے لگے میں یہی دیکھتا آ رہا ہوں کہ کسی خیمہ میں کوئی عورت یا بچہ قید نہیں ہے۔

ابن سعید: کیا آپ نے سب خیمہ دیکھ ڈالے۔

مزار: ہاں سب دیکھ ڈالے۔ سارے خالی تھے۔ صرف اس خیمہ میں تم۔

ابن سعید: میں لڑائی کا شور سن رہا تھا۔ بڑھے ہوئے جوش کی وجہ سے میرا خون میری رگوں میں کھول رہا تھا۔ مگر میں بندھا پڑا تھا۔

مزار: آج مسلم خواتین نے کمال کر دیا۔ وہ لڑیں اور بڑی بہادری سے لڑیں۔

ابن سعید مگر وہ کیسے رہا ہوئیں ان کے پاس ہتھیار کہاں سے آئے۔

مزار: رہائی کا تو علم نہیں لیکن ہتھیار ان کے پاس نہ تھے۔

ابن سعید: پھر کس چیز سے لڑیں وہ؟

مزار: کہیں سے ان کے ہاتھ خیموں کی چوبیں آ گئیں۔ ان سے ہی لڑائی شروع کر دی تھی۔

ابن سعید: حیرت کی بات ہے۔

مزار: نہایت حیرت کی۔ آڑ سپر سالار کے پاس چلو۔ انھیں تو تمہاری گرفتاری کا بھی حال معلوم نہیں۔

ابن سعید: میں اچانک گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اب یہ دونوں خیمہ سے نکل کر باہر آئے۔ اس خیمہ سے کچھ ہی فاصلہ پر خواتین عرب گھاس پر بیٹھی تھیں۔

ابن سعید نے جلدی سے ان پر نگاہ ڈالی وہ ام ابان کو دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ انھیں نظر نہ آئیں۔ ان کا دل فرط خوف اور رنج سے دھڑکنے لگا۔

ام ابان ان کی منگیتر تھیں۔ وہ فرط حیا سے کسی آن کی بابت دریافت بھی نہ کر سکتے

دل پر جبر کر کے وہ مزار کے ساتھ چلتے رہے۔ چنانچہ جب وہ خالدؓ کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کیا۔

خالدؓ نے سلام کا جواب دے کر دریافت کیا: "تم کہاں تھے؟"

ابن سعیدؓ: میں بھی قید ہو گیا تھا۔

خالدؓ: تعجب ہے کسی نے بھی تمہارے قید ہو جانے کا تذکرہ مجھ سے نہیں کیا۔

ابن سعیدؓ: میری گرفتاری کچھ ایسے طریقہ پر عمل میں آئی کہ کسی کو بھی کچھ علم نہ ہو سکا ہوگا۔

خالدؓ: یہی بات کہی جاسکتی ہے۔

ابن سعیدؓ: کہنے عورتیں سب رہا کرائی گئیں؟

خالدؓ: قریب قریب سب رہا ہو گئی ہیں۔

ابن سعیدؓ کے دل پر کچھ دھکا سا لگا۔ انھوں نے کہا: "قریب قریب کی کچھ باقی بھی رہ گئی ہیں؟"

خالدؓ: صرف ایک لڑکی رہ گئی ہے۔

یہ سن کر ابن سعیدؓ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ انھیں شک ہوا کہ کہیں وہ لڑکی ام

ابانؓ نہ ہوں۔ انھوں نے دریافت کیا اور وہ لڑکی کون ہے؟

خالدؓ نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا: "ابن سعیدؓ! وہ تمہاری منگیتر ہے؟"

ابن سعیدؓ نے ایک دل و دہانہ کی۔ مزار اور خالدؓ دونوں کو ان کی حالت پر بڑا ترس

آیا۔ خالدؓ نے کہا: "گھبراؤ نہیں جس خدا نے تمام بچوں اور ساری عورتوں کو رہا کر دیا ہے۔

وہی اس معصوم کو بھی رہا کرائے گا۔"

ابن سعیدؓ پر کچھ ایسا غم کا غلبہ ہوا کہ ان سے کھڑا رہنا دشوار ہو گیا وہ کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئے

ان کے پاس ہی مزار اور خالدؓ بھی بیٹھ گئے۔ مزار نے کہا: ابن سعیدؓ حوصلہ رکھو۔ خدا کی

رحمت سے زامید مت ہو۔"

ابن سعیدؓ: ناامید ہونا تو کفر ہے لیکن.....

خالدؓ: ہمیں تمہارے رنج کا احساس ہے، سنو! میں تمہیں کچھ کہوں کہ انشا اللہ

اسے بھی رہائی دلا کر رہوں گا۔

ابن سعیدؓ: مگر اسے لے کون گیا۔ کیا وہ رہا نہ ہو سکی تھی؟

خالدؓ: مجھے ام تمیمؓ نے بتایا کہ وہ بھی رہا ہو گئی تھی اور اسی گروہ میں تھیں۔ جس میں

خود ام تمیمؓ تھی۔ مگر وہ نہایت جوشیلی لڑکی تھیں۔ بڑی بہادری سے لڑیں۔ کئی عیسائیوں

کو انھوں نے مار ڈالا۔ اتفاقاً وہ عیسائیوں کے زمرہ میں آ گئیں۔ اور کئی عیسائیوں نے انھیں

پکڑ کر ان کے ہاتھ باندھے اور ایک سوار کے آگے بٹھا دیا۔ ام تمیمؓ اور ان کی ساتھ والیوں

نے ان کی مدد کرنی چاہی۔ لیکن کثرت سے عیسائیوں کے بیچ میں آ جانے کی وجہ سے وہ

مجبور ہو گئیں۔

ابن سعیدؓ: کاش میں یہ روح فرسا خبر سننے کے لئے زندہ نہ رہتا۔

خالدؓ: پھر وہی بے صبری۔

ابن سعیدؓ: نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بدکار انھیں کس طرف لے گیا۔

خالدؓ: میں نے کچھ سواروں کو دوڑا دیا ہے وہ غالباً آتے ہی ہوں گے تم علم و افسوس

نہ کرو۔

یہ کہتے کہیں تھا کہ ابن سعیدؓ کو غم نہ ہوتا۔ وہ غمگین تھے اور بے حد غمگین تھے ان کا

چہرہ ست ہو گیا تھا اور آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں۔

مزار نے کہا: "یا اخی! اس قدر غم نہ کرو کہ کسی کام کے کرنے کے قابل ہی نہ رہو۔

ابھی تمہیں انتقام لینا ہے۔ آہستہ آہستہ غم سے نجات پا کر انتقام لینے کے لئے تیار ہو

جاؤ۔

مزار کی اس گفتگو نے اچھا اثر کیا۔ ان کا غم دور ہونے اور جوش اور غصہ بڑھنے لگا

انہوں نے کہا: "سچ فرمایا آپ نے مجھے انتقام لینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا

چاہیئے۔

خالدؓ: بے شک۔ اچھا آؤ پہلے شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھ لیں۔

یہ یتیموں آئے اور اس جگہ پہنچے جہاں مسلمان جمع ہو رہے تھے انھوں نے جا کر

دیکھا کہ کل سات لاشیں تھیں۔ گویا اس میدان اور اس لڑائی میں صرف سات مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اور چھبیس آدمی لڑائی کے میدان میں اس طرح دونوں لڑائیوں میں تینتیس مسلمان شہید ہوئے تھے اور عیسائی قریب قریب سولہ ہزار کے سولہ ہزار کام آگئے تھے سب نے جنازوں کی نماز پڑھی اور شہداء کو دفن کر دیا۔ جب وہ مدین سے فارغ ہو گئے تو وہ دس سو روپے آئے جنہیں خالدؓ نے ام ابان کی تلاش میں بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ اور عیسائی تھے جنہیں وہ پکڑ کر لائے تھے۔

خالدؓ نے ان سے دریافت کیا: کہو ام ابان کا سراغ چلا؟
ان میں سے ایک شخص نے جواب دیا: جی نہیں۔ یہ دو عیسائی ملے ہیں۔ دونوں کہتے ہیں کہ کوئی سردار کھوس نالی انہیں گھوڑے پر سوار کر کے لے گیا ہے۔
خالدؓ نے ان عیسائیوں سے دریافت کیا: تمہیں معلوم ہے کہ کھوس کس طرف کو گیا ہے۔

دونوں عیسائی عربی جانتے تھے انہوں نے کہا۔ حضور وہ حمص کی طرف گیا ہے۔
خالدؓ ان دونوں کو غور بھری نظروں سے اس لئے دیکھ رہے تھے کہ ان کی آنکھوں اور بشرہ سے معلوم کریں کہ وہ کس طرف بول رہے ہیں یا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔
انہوں نے دریافت کیا: کیا وہ دمشق کی طرف نہیں گیا؟

وہی عیسائی: نہیں حضور

خالدؓ: تم بتا سکتے ہو اس کا حمص جانے سے کیا مطلب ہے؟
وہی عیسائی: غالباً اسے خوف تھا کہ اگر وہ اس لڑکی کو دمشق لے گیا تو مسلمان وہاں پہنچ کر چھڑالیں گے۔

خالدؓ: لیکن کیا وہ حمص میں پھپھپ جائے گا؟
وہی عیسائی: میرے خیال میں نہیں۔ ممکن ہے وہ حمص میں جائے کسی اور طرف چل دے۔

خالدؓ: اور کہاں جاسکتا ہے وہ؟

وہی عیسائی: حلب یا انطاکیہ

خالدؓ: کیا وہ تنہا گیا ہے؟

وہی عیسائی: حضور دو افسر اور اس کے ساتھ ہوئے ہیں۔

خالدؓ: اچھا اب تم کیا چاہتے ہو؟

وہی عیسائی: حضور ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم میں سے ایک کو رہا کر دیجئے اور گھوڑا دے دیجئے تاکہ وہ اس لڑکی کو تلاش کر کے یا تو لے آئے یا اس کا کھوج نکال لائے اور دوسرے کو اس وقت تک قید رکھئے جب تک وہ واپس نہ آئے۔

اس عیسائی نے نہایت مناسب اور معقول بات کہی تھی۔ خالدؓ نے کہا یہیں منظور ہے

وہی عیسائی: لیکن حضور یہ اقرار کر لیجئے کہ اگر وہ لڑکی آگئی یا اس کا سراغ مل گیا تو آپ ہم دونوں کو رہا کر دیں گے۔

خالدؓ: نہ صرف اقرار کیا جاتا ہے۔ بلکہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں رہا کرنے کے علاوہ اتنا انعام دوں گا کہ تم مالا مال ہو جاؤ گے۔

وہی عیسائی: اچھا تو آپ ہم میں سے ایک کو چھوڑ دیجئے۔

خالدؓ: بتاؤ تم میں سے کون جانا چاہتا ہے؟

دوسرے عیسائی نے کہا: حضور یہ میرا بھائی ہے۔ نہایت بہادر اور چالاک ہے۔

خالدؓ: اچھا میں ابھی گھوڑا منگاتا ہوں۔ تمہارا نام کیا ہے؟

وہی عیسائی: میرا نام مرثیہ ہے۔

خالدؓ: اچھا مرثیہ تم تیار ہو جاؤ۔

مرثیہ: میں بالکل تیار ہوں حضور۔

خالدؓ: ہم یہاں سے اجنادین جا رہے تم وہیں آنا۔

مرثیہ: بہتر ہے۔

ابن سعید: اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی ان کے ساتھ چلا جاؤں۔

خالد : تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔ غیر ملک ہے، غیر قوم ہے، خدا جانے
کی واقعہ پیش آئے۔
خالد نے گھوڑا اور دو ہتھیار منگوا کر سڑک کو دیئے وہ ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا
اور سلام کر کے چلا گیا۔
اب خالد نے تمام سامان مجاہدین کی تحویل میں دے کر انہیں وہاں سے کوچ کرنے
کا حکم دیا۔
اگرچہ ابن سعید کا وہاں سے کہیں بھی جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ لیکن وہاں رہ کر بھی کیا
کرتے، بادل ناخواستہ تیار ہو گئے۔ ان کے بھی گھوڑے کا انتظام کیا گیا اور تمام عورتوں
اور بچوں کو بھی گھوڑوں پر سوار کیا گیا۔
عزمن تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد یہ فاتح لشکر اجنادین کی طرف روانہ ہو گیا۔

نواں باب

بولص کا قتل

جو واقعہ ہم نے گذشتہ باب میں بیان کیا وہ ۱۳ رجا دی الاول ۱۳۳ھ کو واقعہ ہوا تھا۔
چونکہ خالد بن الولید جلد سے جلد از جلد اس لشکر سے ملنا چاہتے تھے۔ جو ابو عبیدہ
کے ساتھ بھیج دیا گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے آرام کیا نہ قیام، جنگ سے فارغ ہوتے ہی
شعوراک طرف چل پڑے۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ دن چھپ گیا۔ سب نے گھوڑے سے اتر
کر مغرب کی نماز ادا کی اور نماز پڑھتے ہی پھر چل پڑے۔
چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی سفید چادر کی طرح بکھری پڑی تھی۔ ہر درخت، درخت کا ہر
پتہ، ریگ کا ہر ذرہ چمک رہا تھا۔ دودھ جیسی سفید چاندنی میں ہر چیز نہایت بھلی معلوم
ہو رہی تھی۔

اگرچہ ابھی رات بہت زیادہ نہ گزری تھی۔ مگر غیر آباویاں اور خالی میدان ہونے کی وجہ
سے آدمی رات جیسا سکوت و سکون چھایا ہوا تھا۔ فغا خاموش تھی اور اس سٹے ہر طرف فاشی
چھائی ہوئی تھی۔

لیکن غازیان اسلام کے گھوڑوں کے سموں کی آواز سکوت کو توڑ کر فضا میں گونج پیدا کرتی
چلی جاتی تھی۔

جب یہ لوگ شعوراک کے اس حشر نامیدان میں پہنچے جہاں دوپہر کے وقت خون آشام

جنگ ہوئی تھی تو وہاں انھوں نے عیسائیوں کے بے گور و کفن لاشوں کو خاک و خون میں تھڑا ہوا پایا۔

مسلمان اپنے شہیدوں کو دفن کر کے گئے تھے۔ لیکن عیسائیوں کو اس کا موقع نہیں ملا تھا۔

ان لاشوں کی حالتیں بدل گئیں تھیں۔ صورتیں بگڑ گئی تھیں۔ کوئی اکڑ گیا تھا۔ کسی کی آنکھیں پھٹی اور منہ کھلا رہ گیا تھا۔ کوئی سمٹ کر گٹھری سا بن گیا تھا۔ تمام میدان لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔

خالدؓ نے کہا: ”ان عیسائیوں نے اپنی حاجت سے مسلمانوں کو بھی مشقت میں ڈالا اور خود بھی مصیبت میں پڑے۔“

حضرتؓ نے کہا: ”اور ان عیسائیوں نے عقلمندی کی بات ہی کب کی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم سفیر کو قتل نہیں کرتی۔ مگر انھوں نے اسلامی سفیر کو اس لئے قتل کر ڈالا کہ مسلمانوں کو کمزور اور حقیر سمجھتے تھے جانتے ہوں گے کہ مسلمانوں میں اس قدر قوت اور طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے سفیر کا انتقام لے سکیں؟“

خالدؓ: عیسائیوں کا شہنشاہ ہر قتل انکم نیک طبیعت انسان ہے۔ لیکن اس کے مشیر بدکار، چالاک اور مغرور ہیں۔ وہ ملک اور اپنی قوم کو تیار کر رہے ہیں۔

حضرتؓ: یہی بات ہے، اراکین سلطنت کے دلوں اور دماغوں میں یہ خیال گھسا ہوا ہے کہ ان کی جبروتی حکومت اور طاغوتی طاقت مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے گی۔ اسی لئے وہ صلح کی طرف نہیں جھکتے۔

خالدؓ: کیسے جھکیں خداوند عالم نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما دیا ہے کہ شام اور ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ خدا کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عیسائی صلح نہ کریں۔

حضرتؓ: بالکل درست ہے۔ ابن سعیدؓ تم چپ چاپ کیوں ہو؟ ابن سعیدؓ بالکل خاموش تھے۔ ان کا چہرہ غم و رنج میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس میدان میں

پہنچ کر انہیں خیال آ گیا۔ دوپہر کے وقت کی اس ملاقات کا جب کہ وہ ام ابانؓ سے ملے تھے۔ ان سے گفتگو کر کے محفوظ ہو رہے تھے لیکن ذرا سی خوشی رنج میں بدل گئی تھی۔ وہ اور ان کی راحت روح دونوں گرفتار ہو گئے تھے۔

وہ پریشان تھے سخت پریشان، ان کا دل تڑپ رہا تھا۔ طبیعت بے چین تھی اور وہ خاموش رہ کر اپنے دل اپنی طبیعت کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

جب حضرتؓ نے انہیں مخاطب کیا تو وہ چونکے۔ انھوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا جی ہاں میں چپ ہوں، بڑھتی ہوئی پریشانی اور غم کی وجہ سے مجھے افسوس بھی ہے، رنج بھی ہے، غصہ بھی ہے اور غیرت بھی ہے۔“

خالدؓ: مگر تم سمجھتے ہو کہ انسان بے بس و بیکس ہے۔ قسام ازل نے جو کچھ جس کی قسمت میں لکھ دیا ہے اسے پیش آنا ہے۔

ابن سعیدؓ: یہ میرا ایمان ہے۔

خالدؓ: پھر بے چینی اور اضطراب کیوں ہے؟

ابن سعیدؓ: بشریت کی وجہ سے۔

خالدؓ: لیکن کیا تم نے خدا کا فرمان نہیں سنا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ابن سعیدؓ: سنا ہے اور اسی لئے میں صبر کر رہا ہوں۔

خالدؓ: یاد رکھو جو شخص عیش میں شکر عیش میں خوفِ خدا اور مصیبت میں صبر کرتا ہے

خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔

ابن سعیدؓ: میں صبر کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ خدا میرے رنج و غم کو دور کر

دے گا۔ مگر مجھے رہ رہ کر یہ غیرت آ رہی ہے کہ میری منیگر کو ایک عیسائی کتے گیا۔

خالدؓ: بیشک غیرت کی بات ہے۔ لیکن اس سے غم و افسوس نہیں کتنا چاہیے بلکہ

جوش اور غصہ کتنا چاہیے اور وہ بھی محض انتقام لینے کیلئے۔

ابن سعیدؓ: اور میں انتقام لوں گا۔

لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ ام ابانؓ رہ گئی ہیں اور کوئی بد بخت عیسائی انھیں پکڑ لے گیا ہے تو سب کو افسوس ہوا اور خوشی غم سے بدل گئی۔

جب آفتاب طلوع ہو گیا تب خالدؓ نے بولیں کو طلب کیا۔ اسے گرفتار کر کے ابو عبیدہ کے ہمراہ بھیج دیا گیا تھا۔

خالدؓ نے بولیں سے کہا۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟
بولیں نے کہا۔ میں سوائے ربائی کے کس بات کی خواہش کر سکتا ہوں؟
خالدؓ : ہم تمہیں رہا کر سکتے ہیں۔

بولیں : کن شرائط پر
خالدؓ : آپ و مشق کا قلعہ ہمارے قبضہ میں دے دیں۔

بولیں : یہ ناممکن ہے۔

خالدؓ : اچھا مسلمان ہو جاؤ۔

بولیں : یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

خالدؓ : تو زرفدیہ اولیٰ کیجئے۔

بولیں : یہ بڑی ذلت کی بات ہے اور مجھے یہ بھی منظور نہیں

خالدؓ : بس تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بولیں : کیا بظرس بھاگ گیا۔

خالدؓ : نہیں وہ مارا گیا۔

بولیں پر غم کا غلبہ ہوا۔ اس نے غم ناک لہجہ میں کہا : کیا میرا بھائی مارا گیا؟

خالدؓ : ہاں اس کا سر موجود ہے۔ کیا تم دیکھنا چاہتے ہو۔

بولیں : نہیں۔ آہ میں کیسے اپنے پیارے بھائی کا سر دیکھ سکتا ہوں۔

خالدؓ : تم اس کی اور اپنی موت کے ذمہ دار ہو۔

بولیں : بے شک مجھ سے ہی یہ طاقت ہوئی کہ میں تم پر حملہ کرنے کے لئے

چڑھ دوڑا۔

خالدؓ : ٹھیک ہے۔

چونکہ یہ لوگ بڑھے چلے جاسے تھے اس لئے شہور کا میدان بہت پیچھے رہ گیا تھا کچھ دور چل کر انھوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر چل پڑے۔

اگرچہ آج کا سارا دن مردوں ہی کا نہیں عورتوں اور بچوں کا بھی بے آب و دانہ گزر گیا تھا اس کے علاوہ لڑائی لڑنی پڑی تھی۔ اور شروع ہی رات سے یہ وقت سفر کرتے کرتے گزر گیا تھا۔ اس پر بھی ان میں سے کسی کو کان نہیں ہوا تھا۔

سب اس طرح سے سفر کر رہے تھے۔ جیسے وہ تازہ دم ہوں۔ آدھی رات کے وقت وہ راہٹ پہنچے۔

راہٹ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ لیکن اس کے گرد فصیل نہ تھی

جب سے عیسائیوں نے سنا تھا کہ مسلمان اس طرف آرہے ہیں۔ وہ وہاں سے بھاگ گئے تھے۔

شہر سے باہر ابو عبیدہؓ مع تمام لشکر کے مقیم تھے۔ چونکہ یہ مقام اجنادین کے قریب تھا۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ کہیں عیسائی ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر شہر نہ ماریں۔ اس لئے ایک ہزار کا دستہ لشکر کی حفاظت کے لئے گشت لگا رہا تھا۔

اسی دستہ نے جب خالدؓ اور ان کے ہمراہیوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دور ہی سے لگا کر دریافت کیا کون آرہے ہیں۔

خالدؓ نے بتایا کہ مسلمان ہیں وہ قریب آئے اور خالدؓ وغیرہ کو پہچان کر بہت خوش ہوئے۔

چونکہ تمام مسلمان سو رہے تھے۔ اس لئے خالدؓ نے اسی وقت لشکر میں جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں قیام کر دیا۔ زمین پر فرش کر کے سب لوگ بھوکے پیاسے ہی سو رہے۔ صبح اٹھتے ہی انھوں نے نماز پڑھی۔ جب عام مسلمانوں کو ان کے منظور و منظور آنے کی اطلاع ہوئی تو سب نہایت ہی خوش ہوئے اور عورتوں اور بچوں کی ربائی پر خدا کا

شکر ادا کیا۔

دسواں باب

عجیب الخلق سیاہ پوش

جس وقت ام ابانؓ کو عیسائیوں نے باندھنا شروع کر دیا۔ انھوں نے بہت کچھ کوشش کی ان کی گرفت سے نکلنے کی۔ مگر ایک تو وہ کم سن تھیں دوسرے نازک تھیں۔ عیسائی مرد تھے، طاقت ور تھے۔ اس لئے وہ رہائی حاصل نہ کر سکیں۔ اور چونکہ مسلمان ان سے دور تھے اور لڑائی میں مصروف تھے اس لئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آ سکا۔

عورتوں نے ضرور انھیں گرفتار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے جدوجہد بھی کی تھی کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر ان کی مدد کر سکیں۔ مگر ان کے اور ام ابانؓ کے درمیان اتنے عیسائی آگئے تھے کہ وہ انھیں ہٹا کر ان کی مدد نہ کر سکیں۔

زیادہ کوشش اور مشقت کرنے کی وجہ سے ام ابانؓ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ گالوں میں گلابی رنگت جھلک آئی تھی۔ آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی تھی اور ان کی صورت بڑی ہی دلغریب ہو گئی تھی۔

جو نہی چند عیسائیوں نے انھیں کلوں کے آگے سوار کر کے ان کے ہاتھوں کو جکڑ کر بے قابو کر دیا۔ فوراً ہی کلوں نے ان کے منہ پر ہاتھ اس لئے رکھ دیا کہ وہ کہیں شور و غل نہ کر کے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر لیں۔

خالدؓ : تو تمہیں میری شرائط منظور نہیں۔

بولق : بالکل نہیں

خالدؓ : تمہاری قسمت

مزار نے کہا : اب اجازت دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کا سر کاٹ لوں ؟

خالدؓ : بولق : ایک مرتبہ اور سوچ لو تم زرتاوان دے دو ہم رہا کر دیں گے۔

بولق : نہیں میں آپ کی کوئی شرط بھی منظور نہیں کر سکتا۔

خالدؓ : مرنے کو قبول کرتے ہو۔

بولق : ہاں

خالدؓ : بہتر ہے

اب انہوں نے سید بن نجبتہ الغزالی کی طرف اشارہ کیا اور انھوں نے تلوار کھینچ کر اس کا سراڑا دیا۔ اس طرح اس کی خواہش اس کے قتل ہونے سے پوری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد کھانا کھا کر اسلامی لشکر کوچ کے لئے تیار ہوا، اور اجنادین کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ خوب جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کی آوار سن لی تو وہ ان کی مدد کے لئے دوڑیں گے۔ اور ان کا وہاں سے لے جانا ناممکن ہو جائے گا۔

جب اس نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھا تو انہیں کراہیت آئی۔ انہوں نے سر اٹھ کر اس کے ناپاک ہاتھ کو منہ سے الگ کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ بندھی ہوئی تھیں اور کلوں نے سختی سے ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس لئے نہ ہٹا سکیں۔

کلوں نے آہستہ سے کہا: ”مہ جیبیں عرب! فضول رہائی کی کوشش کر کے اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ گہرا ڈمٹ میں تمہارا بے خواہ نہیں ہوں۔ تم پر فریفتہ ہوں اور تمہیں عشرت گاہ میں لے جانا چاہتا ہوں۔“

ام ابان کو گفتگو سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے جواب دینا بھی چاہا۔ مگر ان کے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس لئے جواب نہ دے سکیں۔

اب کلوں نے گھوڑے کا رخ پھیرا اور جس طرف مسلمان لڑ رہے تھے۔ اس طرف سے بچ کر روٹنے ہوا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اس کے دو ماتحت افسر اور مل گئے۔ وہ دونوں سخت پریشان اور بدحواس ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ”آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟“

کلوں اس وقت کسی کو بھی اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا، اس نے انہیں ٹالنے کے طور پر کہا: ”میں جا نہیں رہا ہوں بلکہ اس لڑکی کو امن کی جگہ پہنچا کر ابھی واپس آتا ہوں۔ تم اس قدر بدحواس اور پریشان کیوں ہو؟“

افسر نے جواب دیا: ”یہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں نے آکر قیامت برپا کر دی ہے۔ کم سخت ایسے سخت جان ہیں کہ مرتے ہی نہیں۔“

کلوں: ”تم چلو سپاہیوں کی ہمت افزائی کر دینا بھی آتا ہوں افسر! پس آپ ہی کے ساتھ ہم بھی واپس آجائیں گے۔“

کلوں کو ناگوار تو بہت ہوا لیکن مصلحت دیکھ کر چپ ہو گیا اور انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

یہ تینوں گھوڑے پر سوار تھے۔ لشکر میں سے نکل کر محض کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی گرفت سے دور نکل جانا چاہتے تھے۔ اس لئے نہایت تیزی سے گھوڑے دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔

جب وہ وہاں سے بہت کچھ دور نکل گئے تب انہیں مرلیس اور اس کا بھائی ایک بڑے درخت کی آڑ میں چھپے ہوئے بیٹھے ملے۔ کلوں نے انہیں دیکھ کر کہا: ”ہائیں بزدلو! تم یہاں بھاگ آئے۔“

مرلیس نے کہا: ”محفوظ اور کیا کرتے محصور مسلمان بھیلڑوں کی طرح اچانک آپٹوے۔ بھلا ان درندوں کا عیسائی کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہم جان کے خوف سے بھاگ آئے۔ کلوں! اچھا ہمارے پیچھے چلے آؤ۔“

یہ کہتے ہی ان تینوں نے پھر گھوڑوں کو تیزی سے چھوڑ دیا۔ مرلیس اور اس کا بھائی دونوں پناہ گاہ سے نکل کر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ مگر بد قسمتی سے یہ لوگ زیادہ دور نہ جا سکے تھے۔ انہیں ان مسلمانوں نے جنہیں خالدؓ نے ام ابانؓ کی رہائی کے لئے بھیجا تھا دیکھ کر گرفتار کر لیا۔ اور واپس لوٹا کر خالدؓ کے سامنے پیش کر دیا۔

خالدؓ نے مرلیس کو تورا کر دیا۔ اور اس کے بھائی کو بطور یرغمال کے اپنے ساتھ ساتھ رہنے دیا۔ اس واقعہ کو ناظرین باب سبق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

کلوں مع افسروں کے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اتنی دور نکل جائے۔ جس سے مسلمان اس تک نہ پہنچ سکیں۔

نہایت تیز چلنے کی وجہ سے وہ کافی دور نکل آیا تھا۔ شام کے وقت اسے سامنے ایک آبادی نظر آئی۔ چونکہ وہ اس نواح سے بخوبی واقف تھا اس لئے سمجھ گیا کہ آبادی کا کیا نام ہے۔ اس نے کہا: ”قبہ حلوان آگیا ہے۔“ یہاں میرا دوست اربوس رہتا ہے۔ اس کے پاس چل کر رات آرام سے بسر کریں گے۔“

ایک افسر نے کہا نہایت مناسب ہے۔“

حلوان کی عمارتیں دور سے صاف طور پر نظر آ رہی تھیں۔ عمارتوں کی شان سے معلوم ہوتا تھا

قصبہ اچھا خاصہ ہے۔ کئی عالیشان گرجا تھے۔ ان کے محزوظی میناروں سے نظر آ رہا ہے تھے۔“

چونکہ اب انھیں اطمینان ہو گیا تھا۔ اس لئے گھوڑوں کی رفتار کم کر دی تھی۔ جب وہ قصبہ کے اندر داخل ہوئے تو بہت کم دن باقی رہ گیا تھا۔ دھوپ کی سفید رنگت زردی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ کچھ کاشت کار گھوڑے اور سامان ذراعت کھینچنے لئے چلے آ رہے تھے جب یہ لوگ قصبہ میں داخل ہوئے تو بچے، عورتیں، مرد، ام ابان کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

لیکن کلوں اور دونوں افسر فوجی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور اس زمانہ میں عوام انہیں فوجیوں سے بے حد ڈرتے تھے۔ اس لئے کسی کو کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ ان کے قصبہ سے جلد سے جلد دفع ہو جائیں تاکہ قصبہ والے اطمینان کا سانس لیں۔

اس زمانے کے فوجی لوگ نہایت بدکار، مغرور اور ظالم ہوتے تھے۔ جب ان کا کسی آبادی میں سے گزر ہوتا تھا تو جو چیز اچھی معلوم ہوتی اسے بغیر اس کے مالک کی اجازت کے لے لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ نوخیز لڑکیوں اور حسین عورتوں کو بھی پکڑ لے جاتے تھے۔ عام عیسائی فوجیوں کو شیطان کہا کرتے تھے اور انھیں دیکھتے ہی کانپ کر گھروں میں گھس جایا کرتے تھے۔ خصوصاً عورتیں اور لڑکیاں اس وقت تک باہر نہ نکلتی تھیں جب تک ایک فوجی بھی آبادی میں باقی رہ جاتا تھا۔

چنانچہ ان فوجیوں کو بھی دیکھتے ہی لوگ گھبرا گئے اور عورتیں اور لڑکیاں خود ہی دوڑ دوڑ کر گھروں میں جا گھسیں۔

یہ لوگ ایک بڑی سڑک سے گزر کر ایک کوچہ میں کسی قدر شاندار مکان کے سامنے جا کر رُکے

ان کے پہنچتے ہی مکان کے اندر سے ایک جوان العریضائی نکلا۔ اس کا چہرہ لمبا اور بھدا تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور حلقوں کے اندر گھسی ہوئی تھیں۔ پیشانی تنگ اور ابھری

ہوئی تھی۔ بشرہ سے نہایت چالاک اور ادب باش معلوم ہوتا تھا۔ اس نے آتے ہی کلوں کو سلام کر کے کہا: ”زہے قسمت آپ تشریف لائے“ کلوں نے کہا: ”میں اس طرف سے گزر رہا تھا کہ رات ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ آج آپ ہی کے یہاں قیام کروں۔“ ارسوس: ”بڑی مہربانی آپ نے کی۔“ اب اس کی نظر ام ابان پر پڑی۔ اس نے مسکرا کر کہا: ”اس عربی پری پیکر کو کہاں سے پکڑ لائے؟“

کلوں نے اترتے ہوئے کہا: ”شعور اسے پکڑ کر لایا ہوں۔“ ارسوس ام ابان کے روشن چہرہ کو ٹٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا نہایت حسین لڑکی ہے۔ میں اپنی املاک اس پر سے قربان کر سکتا ہوں۔“ کلوں نے سہارا دے کر ام ابان کو اتارا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ”ہاں حسین ہے۔ اس قدر حسین کہ کسی شاعر کا خیال تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔“ ارسوس: ”یہی بات ہے۔“

اب دونوں افسر بھی اتر آئے تھے۔ کلوں نے کہا: ”آپ یہیں کھڑے کھڑے باتیں کیجئے گا۔“

ارسوس: ”معاف کرنا میں اس پری زاد کے نظارہ میں ایسا محو ہوا کہ سب کچھ بھول گیا۔“

آئیے اندر تشریف لے چلے۔ اچھا میں سائیس کو آواز دے لوں۔ وہ گھوڑے اصطبل میں باندھ آئے گا۔

کلوں: ”ٹھیک ہے۔“

ارسوس نے بڑھ کر سائیس کو آواز دی۔ ایک بڑھا دوڑتا ہوا آیا۔ ارسوس نے کہا: ”دیکھو یہ تینوں گھوڑے اصطبل میں لے جا کر باندھ دو اور اسے اندر گھاس کا معقول انتظام کر دو۔“

”بہتر ہے“ کہہ کر سائیس گھوڑے لے گیا

اب ارسوس تینوں عیسائیوں اور چوتھی عربی دوشیزہ کو ساتھ لے کر مکان کے اندر پہنچا۔

مکان کچھ زیادہ شاندار نہیں تھا۔ مگر گھر سے بہت سے ادب بڑے بڑے تھے ارسوس نے

کہا: ”کچھ کس کمرے میں ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔“

کلوں : اسی میں جس میں ہم ٹھہر کر تے ہیں۔

ارسوس : لیکن اس کمرہ میں کچھ جنوں یا بھوتوں کا اثاثہ ہے۔

کلوں : تم ہمیشہ ایسا ہی کہہ دیا کرتے ہو۔ میں نے کئی دفعہ تم سے کہہ دیا کہ میں ایسی باتوں

سے نہیں گھبراتا۔

ارسوس : بہتر ہے پھر چلے اس کمرہ میں

یہ سب ایک وسیع کمرہ میں داخل ہوئے۔ اس کمرہ میں ابھی استر کاری ہو رہی تھیں۔ کئی

صوفے پڑے تھے۔ کئی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔

یہ لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ام ابان ایک صوفہ پر جا بیٹھی۔ اب کلوں نے ان کے ہاتھوں

کی بندش کھول کر انہیں آزاد کر دیا۔

ارسوس چلا گیا اور اس کا خادم کئی شمعیں روشن کر کے رکھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ارسوس کھانا

لایا انھوں نے ام ابان کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا

اور اس سختی سے انکار کیا کہ اسے دوبارہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چاروں عیسائیوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تب کلوں نے ام ابان

سے کہا: ”آپ کو بھوک نہیں ہے۔ یا یہ کھانا کھانا منظور نہیں ہے۔“

ام ابان : سمجھ گئی تھیں کہ خدا جانے کب تک ان ناکسوں کے ساتھ رہنا پڑے اس لئے

وہ ان کے ساتھ بولنے لگیں تھیں۔ انھوں نے کہا: ”میں ایک مسلمان لڑکی ہوں۔ عیسائیوں

کے یہاں کھانا نہیں کھا سکتی۔

کلوں : کیوں

ام ابان : اس لئے کہ آپ سور کا گوشت کھاتے اور شراب پیتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں ہمارے

مذہب میں حرام ہیں۔

کلوں : اچھا تمہارے لئے دودھ منگا لیا جائے

ام ابان : ہاں اس میں مضائقہ نہیں۔

ارسوس جلدی سے اٹھ کر گیا اور دودھ لے آیا۔ ام ابان نے دودھ پی کر وضو کر کے لئے پانی

منگایا اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں۔

عیسائی حیران ہو کر انہیں نماز پڑھتے دیکھنے لگے۔ وہ نماز پڑھ کر صوفے پر جا بیٹھیں۔ چونکہ

رات بھی زیادہ آگئی تھی۔ اور یہ سب دن بھر کے تھکے ہوئے بھی تھے۔ اس لئے سونے کے ارادہ

سے صوفوں پر پڑ گئے۔

ارسوس چلا گیا اور ام ابان بھی نیم دراز ہو گئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں چاروں کو نیند آگئی اور

کچھ ایسی سخت آئی کہ مایہا کی خبر نہ رہی۔

نا معلوم کہ کتنی دیر سوتے رہے۔ وفتاً ایک ہلکی چیخ کی آواز آئی۔ کلوں کی آنکھ کھل گئی۔ اس

وقت کمرہ میں صرف ایک شمع روشن تھی اور اس کی مدد سے روشنی سارے کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔

کلوں نے دیکھا کہ کوئی سیاہ پوش ام ابان کو اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ کلوں ٹپ کر اٹھا اور جلدی

سے سیاہ پوش کے قریب پہنچا۔

غالباً اس کے پیروں کی آواز سن کر سیاہ پوش ٹوٹا اور کلوں کی طرف بھاگا۔

کلوں کی نظر جب اس پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ ایک عجیب الخلقت سا انسان یا جانور ہے جس

کی آنکھیں تیز چمک رہی ہیں اسے دیکھتے ہی کلوں پر کچھ ایسی ہیبت پھائی کہ بے ہوش ہو کر فرش پر

گرا۔

اس کے گرنے کی آواز سن کر دونوں افسروں کی آنکھ کھل گئی، لیکن جوں ہی انھوں نے ہیبت

سیاہ پوش کو دیکھا تو فوراً ہی خوف و دہشت سے کانپ کر صوفوں پر اوڑھ پڑے۔

گیارہواں باب

ضرار کا حملہ

اسلامی لشکر رابطہ سے روانہ ہو گیا تھا۔ چونکہ انھیں معلوم تھا کہ اجنادین میں عیسائیوں کا لشکر پہنچ چکا ہے۔ اس لئے مجاہدین بھی جلد سے جلد وہاں پہنچنے کے لئے کوچ و قیام کرتے چلے جا رہے تھے۔ آخر کار مجاہدین الاول سترہ سو شہید کے ردوہ بھی اجنادین میں جا داخل ہوئے۔

جس میدان میں عیسائیوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔ وہ نہایت لمبا چوڑا تھا۔ اتنا وسیع کہ حدنگاہ تک پھیلا ہوا تھا، بلکہ افق سے ملتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

مسلمانوں نے جاتے ہی دیکھ لیا کہ رومیوں کے ہڈی دل لشکر نے آدھا میدان بھر رکھا ہے۔ گویا کئی میل کے گروادہ میں لشکر پڑا ہوا تھا۔

مسلمان بھی میدان کے اس سرے پر خیمہ زن ہو گئے اور اس طرح ان دونوں لشکروں کے درمیان تقریباً چار میل کا فاصلہ باقی رہ گیا۔

یہ میدان ریتلا تھا۔ اس میں کثرت سے ریت کے اونچے اونچے ٹیلے تھے بعض ٹیلوں پر سبزہ لگا ہوا تھا اور بعض پر ریت اڑاتا تھا۔ دو روز تک مسلمانوں نے قیام کیا۔ دراصل وہ انتظار کر رہے تھے۔ اس بات کا کہ اگر عیسائی مسلح ہو کر میدان جنگ میں نکلیں تو وہ بھی نکلیں اور جب تک وہ نہ نکلیں وہ بھی آرام کرتے رہیں۔

اگرچہ عیسائیوں کا لشکر بے شمار تھا۔ اتنا کہ مسلمان اسے شمار ہی نہ کر سکے لیکن یا تو عیسائیوں کو مزید کسی لشکر کے آنے کا انتظار تھا یا انھیں مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آراء ہونے کا حوصلہ نہ تھا۔ اور وہ لڑائی کے لئے میدان میں نہ نکلتے تھے۔

مسلمان ان کا انتظار کر رہے تھے اور وہ اپنی طرف سے جنگ اٹھانے کو ناہم چاہتے تھے ایک روز جب کہ مسلمان صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو انھوں نے تقارروں کی آواز سنی وہ سمجھ گئے کہ آج عیسائی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ خالدؓ نے مسلمانوں کو مسلح ہو کر میدان جنگ میں جانے کا حکم دے دیا۔

ہر افسر اور ہر سردار اپنے رسالہ کے ساتھ میدان میں پہنچ گیا۔ ابن سید بھی اپنا رسالہ لے کر قلاب میں جا کھڑا ہوا۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ عیسائیوں کا ہڈی دل لشکر میدان کو مشرق سے مغرب تک ڈھکے بڑھا آ رہا ہے۔ اور پچاسوں نشان اور علم ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ جہاں سے جہاں تک نظر جاتی ہے انسانوں کا سیلاب موجیں مارتا معلوم ہوتا ہے۔

مسلمان سمجھ گئے کہ عیسائی اپنی پوری کثرت اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔

لیکن اس قدر عظیم الشان لشکر دیکھ کر بھی ان پر کسی قسم کا خوف و ہراس طاری نہیں ہوا۔ وہ نہایت استقلال اور اطمینان سے کھڑے عیسائی لشکر کو دیکھتے رہے۔

حضرت خالدؓ نے اسلامی لشکر کی ستائیس صفیں قائم کیں اور ہر ایک صف میں ایک ایک ہزار آدمی رکھے۔ لیکن ان صفوں اور سواروں کو اس طرح پھیلا دیا کہ اصل سے دو گنے معلوم ہونے لگے تھے۔

مگر پھر بھی وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں اتنے کم تھے کہ اس طرح پھیل اور کرکھڑے ہونے پر بھی ان کی تعداد زیادہ معلوم نہ ہوتی تھی۔

عیسائیوں کا لشکر تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اکڑ گیا۔

آفتاب نہایت جاہ و جلال اور آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ دھوپ تمام میدان اور

میدان کی ہر چیز پر پڑ کر جگمگا رہی تھی۔

عیسائی زرہ بکترین پہنے، خود اوڑے، لمبی لمبی ڈھالیں پشتوں پر لٹکائے بڑے اطمینان اور بڑی شان سے کھڑے تھے۔ ان کی ہر چیز آفتاب کی شعاعوں میں چمک رہی تھی۔

خالد اپنے لشکر کے قلب میں کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ عیسائی کب حملہ کریں اور کب وہ بھی مجاہدین کو حملہ کرنے کا حکم دیں۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ٹیڑھ میل کے فاصلہ پر خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

اس وقت عیسائیوں کے لشکر میں طبل جنگ بجنا بھی بند ہو گیا تھا۔ اور اس طرح دونوں لشکر خاموش کھڑے تھے۔

خالد چاہتے تھے کہ کسی طرح عیسائیوں کے لشکر کی صحیح تعداد معلوم ہو جائے تاکہ وہ کچھ اندازہ لگا لیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا: ”بہادر مسلمانوں! تم میں سے کوئی شخص جا کر عیسائیوں کی تعداد کا اندازہ لگا لائے گا؟“

جس قدر مسلمان بھی خالد کے قریب کھڑے تھے۔ قریب قریب سب نے ہی کہا کہ وہ تیار ہیں۔ ان میں مزار بھی تھے اور انھوں نے بھی یہی کہا۔

خالد نے کہا: مزار میں نہیں مناسب سمجھتا ہوں۔ تم جاؤ اور احتیاط سے اندازہ لگا کر چلے آؤ۔ مگر ایسا نہ کرنا کہ جوش شجاعت کے فریب میں آکر تنہا لشکر پر حملہ کر دو۔ اللہ نے

ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَا تَلْقُوا يَٰٓأَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ إِلَٰهَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ

ہلاکت نہ کرو گویا پروردگار عالم اچھا نہیں سمجھتا، خود کشی کو، اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کام کرنے لگا ہے۔ اس میں اس کی جان جانے کا نہ صرف اندیشہ بلکہ یقین ہے تو اسے وہ کام نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر وہ اس کام کو کرے اور مارا جائے تو گویا اس نے بھی خود کشی کی۔ اور خود

کشی کا گناہ بڑا زبردست ہے۔ زندگی خدا کی دی ہوئی ہے۔ انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسے کھودے۔ جب خدا کی مرضی ہوگی لے لے گا۔

مزار: میں سب کچھ جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں۔ اطمینان رکھئے۔ پوری پوری احتیاط کروں گا۔

خالد: اچھا جاؤ۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔

مزار گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ سہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی مسلمانوں کا اور مسلمان عیسائیوں کو دیکھ رہے تھے۔

عیسائیوں کا سپہ سالار مردان تھا۔ وہ لشکر کے بیچ میں ایک اونچے ٹیلہ پر زربفت کے سائبان تلے۔ گھوڑے پر سوار کھڑا اسلامی لشکر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس نے مزار کو آتے دیکھ لیا تھا۔ مزار بڑھ کر لشکر کے اس قدر قریب پہنچ گئے تھے کہ عیسائیوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ اگرچہ ٹیلوں کی آڑ میں بڑھ رہے تھے۔ مگر عیسائیوں نے انہیں

دیکھ لیا تھا۔ اور وہ شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک انہیں کسی نے نہیں دیکھا۔

دردان نے اپنے خاص رسالہ کے تیس سواروں سے مخاطب ہو کر کہا

”دیکھو وہ بڑے ٹیلہ کے آڑ میں ایک مسلمان کھڑا ہے۔ وہ ہمارے لشکر کی کوئی بات معلوم کرنے آیا ہے۔ غالباً کوئی افسر معلوم ہوتا ہے۔ تم جا کر اسے گرفتار کر لاؤ۔“

فورا تیسوں سوار تلواریں برہنہ کر کے دوڑے اور لشکر سے نکل کر مزار کی طرف بڑھے۔

مزار نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ عیسائیوں نے انہیں دیکھ کر ان سواروں کو ان کی گرفتاری

پر مامور کیا ہے۔ وہ اطمینان سے اسی جگہ کھڑے تھے۔ گویا ان کا انتظار کرنے لگے۔

جب وہ ان کے بالکل قریب آگئے تب انھوں نے اس طرح حیران ہو کر اور چونک کر انہیں

دیکھا جیسے ابھی ان کی نظر ان پر پڑی ہو اور گھوڑا لوٹا کر تیزی سے دوڑے۔

عیسائی سمجھ گئے کہ مزار انہیں دیکھ کر بھاگ رہے ہیں۔ ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں

نے اور بھی گھوڑوں کو تیز دوڑانا شروع کر دیا۔

تقریباً چار فرلانگ دوڑ کر مزار نے اپنا گھوڑا روکا اور اسے عیسائی سواروں کی طرف لوٹا کر ماتھ

میں نیزہ لیا اور تیزی سے دوڑا دیا۔

ادھر سے یہ دوڑے ادھر سے عیسائی دوڑے ہوئے آرہے تھے۔ جب دونوں بالکل

قریب آگئے تھے۔ تب مزار نے نیزہ کو چرخ دیا۔ عیسائی کچھ گھبرا گئے۔ مزار نے زور سے ایک

عیسائی کے حلق میں نیزہ مارا۔ نیزہ کی انی حلقوم توڑ کر پار نکل گئی۔ بے چارہ عیسائی آہ کئے بغیر موت

کی گود میں جا داخل ہوا۔ اور اس کا بے جان لاشہ نیزہ پر ٹسکا رہ گیا۔

مزار نے نیزہ جھکا کر جھکا اور عیسائی کی لاش نیچے گری اب انہوں نے پٹ کر دوسرے عیسائی کی چھاتی پر نیزہ مارا اور فی زرعہ بکتر کو نوڑ کر سینہ میں جا گھسی اس نے ایک ہولناک چیخ ماری اور الٹا ہو کر گرنا۔

مزار نے بلند آواز سے کہا: ”بد بختو! میں مزار ہوں، تمہارے خون کا پیاسا تمہیں ہلاک کر ڈالنے والا“

یہ کہتے ہی انہوں نے تیسرے پر حملہ کیا اور اسے بھی مار کر گرا دیا۔ عیسائیوں کو یہ دیکھ کر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ مزار نے ڈھال پر ان کا حملہ روک کر خود بھی حملہ کیا اور ایک اور عیسائی کو مار گرایا۔

عیسائیوں نے پھر سنبھل کر حملہ کیا۔ لیکن مزار کا گھوڑا بجلی کی طرح ادھر ادھر کود رہا تھا اور اس لئے ان پر ان کی تلواریں نہ پڑتی تھیں۔

مزار نے پھر حملہ کیا اور ایک اور عیسائی کو ختم کر دیا۔

جوں جوں عیسائی مارے جاتے تھے۔ ان کا جوش و غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ صرف ایک مسلمان ہے اور ان کے قابو میں نہیں بلکہ انہیں قتل کرنے کی تعداد گھٹا رہے وہ طیش میں آ کر حملے کرتے تھے۔ لیکن ان کی تلواریں بھی مزار کی ڈھال پر نہ پڑتی تھیں اور جب وہ سنبھل کر دوسرے حملہ کی تیاری کرتے تھے۔ اتنے میں ان کا ایک آدنی مزار پر لڑتے تھے غرض ایک ایک کر کے انہوں نے ان کے پورے پندرہ آدمیوں کو مار ڈالا۔ اب تو عیسائیوں کو فکر ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ اگر اسی طرح لڑتے رہے تو وہ ان سب کا خاتمہ کر ڈالے گا۔ ان پر کچھ ایسی ہیبت اور کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ بے اختیار بھاگ کھڑے ہوئے۔

مزار نے بھی ان کا تعاقب کیا اور گھوڑے کو دبا کر تیز دوڑایا۔ وہ ایک عیسائی کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کی پشت پر نیزہ مارا اتنی لوبہ کا کوٹ پھاڑ کر پشت توڑتی ہوئی سینہ میں پیوست ہو گئی۔ اس کے چیخ ماری اور گرا۔

مزار جلدی سے نیزہ نکال کر دوسرے اور دوسرے کو بھی مار ڈالا۔ غرض بھاگتے بھاگتے انہوں

نے چار عیسائیوں کو مار دیا۔ اور اس طرح کل انیس سواروں کو شہرت مرگ پلا کر واپس ہوئے۔

واپس لوٹتے وقت انہوں نے ان تمام لوگوں کی زربیں اور خود اتار لئے جنہیں انہوں نے قتل کیا تھا اور ان زربہوں اور خودوں کو گھوڑے پر لٹکا کر چلے اور اسلامی لشکر کے قریب آئے۔

مسلمان انہیں اس طرح آتے دیکھ کر بڑے حیران ہوئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اتنی زربیں اور خود کہاں سے اٹھا لائے۔

جب وہ خالگہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا: ”یہ زربیں اور خود کہاں سے اٹھا لائے ہو تم؟“

مزار نے جواب دیا: ”جب میں عیسائی لشکر کے قریب گیا تو تیس عیسائیوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں بھاگ کر انہیں ان کے لشکر سے دور لے آیا۔ جب وہ کافی فاصلہ پر آ گئے۔ تب میں نے لوٹ کر ان پر حملہ کر دیا اور ان کے انیس بہادروں کو مار ڈالا۔ یہ مردہ سواروں زربہ ہیں میں تو گھوڑے بھی لاتا۔ مگر سواروں کے گرتے ہی گھوڑے بھاگ جاتے تھے۔ کبھت ایک بھی ہاتھ نہ آیا خالگہ! لیکن میں نے تو تمہیں منع کیا تھا کہ تم جوش شجاعت کے فریب میں نہ آ جانا۔“

مزار: خدا کی قسم میں اسی وجہ سے لوٹ آیا۔ اگر مجھے آپ کی طاعت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کے لشکر پر تنہا حملہ کرتا۔

خالگہ: تمہیں احتیاط کرنی چاہیے

مزار: بہت احتیاط کرتا ہوں لیکن غصہ اور جوش میں کچھ خیال ہی نہیں رہتا۔ مگر اب انشاء اللہ احتیاط رکھوں گا۔

خالگہ: جاؤ یہ سامان اپنے خیمہ پر رکھ آؤ

مسلمانوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جو شخص جس کسی کو قتل کر ڈالتا تھا۔ اس کی تمام چیزوں کا وہی مالک ہوتا تھا۔

مزار زربہیں وغیرہ رکھنے چلے گئے۔

مسلمان عیسائیوں کی طرف دیکھ رہے تھے کچھ دور پر غبار اڑتا نظر آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سوار آ رہا ہے۔ سب اس سوار کی طرف دیکھنے لگے۔

بڈھا : آپ کا نام کیا ہے ؟
 خالد : میرا نام خالد ہے ۔
 بڈھا : ٹھیک ہے ۔
 خالد : آپ کون ہیں ؟
 بڈھا : میں راہب ہوں ۔
 خالد : غالباً آپ کو دردان نے بھیجا ہے ؟
 راہب : آپ نے ٹھیک سمجھا ہے
 خالد : کوئی پیغام دیا ہے ؟
 راہب : جی ہاں ۔
 خالد : کیا ؟

راہب : دردان نہایت نیک اور رحم دل انسان ہے اور غور بڑی کو پسند نہیں کرتا ۔
 خالد : ہم لوگ بھی جنگ کو پسند نہیں کرتے ۔ ہم خود بھی امن سے رہنا چاہتے ہیں اور دنیا
 میں بھی امن دیکھنا چاہتے ہیں ۔

راہب : جب یہ بات ہے تو پھر یہ خون آشامی کیوں ہے ؟
 راہب اچھی طرح عربی جانتا تھا ۔ اور عربی زبان میں گفتگو کر رہا تھا ۔
 خالد نے کہا : ”آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے محترم نبی رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ہر قتلِ اعظم کے پاس ایک سفیر بھیجا تھا“

راہب : معلوم ہے
 خالد : اس سفیر کو تمہاری قوم نے قتل کر دیا ۔
 راہب : آپ سچ کہہ رہے ہیں ۔

خالد : ہم نے ہر قتلِ اعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ یا تو ان لوگوں کو جنہوں نے سفیر کو قتل کیا
 گرفتار کر کے ہمارے حوالہ کر دے یا سفیر کے قتل کا خون بہا ادا کرے ۔
 راہب : اس مطالبہ کا مجھے علم نہیں ہے ۔

بارہواں باب

شرائط

غبار بڑھتا چلا کرتا تھا اور مسلمان دیکھ رہے تھے ۔ تھوڑی ہی دیر میں غبار کا دامن چاک
 ہوا اور ایک عیسائی گھوڑا دوڑائے آتا ہوا نظر آیا ۔
 جب وہ اور قریب آیا تو مجاہدین نے دیکھا کہ وہ بڈھا تھا ۔ اس کی داڑھی لمبی اور سفید تھی
 اور ایک لمبا جبہ پادریوں جیسا پہنے ہوئے تھا ۔ جو ٹخنوں تک نیچا تھا ۔ ریشم کی سرخ ڈور سے
 کمر باندھے تھا اور اس ڈور میں ایک لمبی سیخ موٹے داتوں کی اڑ سے تھا ۔ سینے پر صلیب کا نشان
 وہ پادری معلوم ہوتا تھا ۔ لشکر سے کچھ فاصلہ پر آکر رکا اور بلند آواز سے کہا : ”میں سپہ سالار سے کچھ
 گفتگو کرنا چاہتا ہوں“

خالد بڑھ کر اس کے سامنے جا پہنچے ”کہیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ؟“
 بڈھے نے کہا ”کیا آپ ہی لشکر کے سردار ہیں ؟“
 خالد : ”ہاں مجھے لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں ۔“

۱۔ اکثر احباب دریافت کرتے ہیں کہ صلیب کا نشان کیا ہوتا ہے ان کی معلومات کیلئے
 نشان بنادیا جاتا ہے ۔ صلیب کا نشان (+) ایسا ہوتا ہے ۔

خالدؑ : میں اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ مطالبہ کیا گیا تھا۔

راہبؑ : میں یاد کرتا ہوں۔

خالدؑ : لیکن ہرقل اعظم نے اپنی طاقت کے زعم میں ہمارے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔

راہبؑ : آپ کے مطالبات ہی نہایت سمجھتے تھے۔

خالدؑ : کیوں؟

راہبؑ : اس لئے کہ ہرقل اعظم جیسا با عظمت و جلال بادشاہ ان مطالبات میں سے

ایک کو بھی منظور نہیں کر سکتا تھا۔

خالدؑ : اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی سلطنت نہایت عظیم الشان ہے۔ اس کے

پاس لشکر اس قدر ہے کہ اس کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔

راہبؑ : یہی بات ہے۔

خالدؑ : مگر وہ تکبر و غرور کا مجسمہ بن کر اس بات کو بھول گیا کہ وہ خدا ہی وہ طاقت ہے

کہ ایک کمزور مجھ سے غرور جیسے بادشاہ کو ہلاک کر سکتا ہے۔

راہبؑ : اسے یہ قدرت ہے مگر ہرقل اعظم دیندار بادشاہ ہے اور خدا دیندار کو تکلیف

نہیں دیا کرتا۔

خالدؑ : کسی قوم کے سفیر کو قتل کر ڈالنا دینداری میں داخل ہے۔

راہبؑ : نہیں

خالدؑ : کسی شخص کے قتل کا خون بہا ادا کرنا شرافت اور انسانیت ہے۔

راہبؑ : اس میں ذلت ہے۔

خالدؑ : اور جس قوم کا سفیر مار ڈالا گیا ہو کیا اس کی امانت نہیں ہوگی۔

راہبؑ : اس سفیر کو نامناسب پیام ہی لے کر کیوں بھیجا گیا۔

خالدؑ : جب حضرت عیسیٰ روح اللہ السلام کی تعلیم لے کر آئے تو یہودیوں نے ان کی محنت

نا اور انہیں برا بھلا کہا۔ ٹھیک اسی طرح تم عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا۔

راہبؑ : میں مذہبی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔

خالدؑ : آپ جو پیغام لاتے ہیں وہ سنا دیجئے۔

راہبؑ : ہمارا سردار چاہتا ہے کہ تم پر رحم کرے۔

خالدؑ : بے ساختہ ہنس پڑے۔ انہوں نے کہا : اس سے کہہ دینا کہ ہمیں اس کے رحم کی

ضرورت نہیں۔ خدا کے رحم کی ضرورت ہے اور وہ ہم پر رحم کر رہا ہے۔

راہبؑ : آپ نے اس لشکر کو دیکھا ہے جو آپ کے سامنے صف بستہ ہے؟

خالدؑ : دیکھا ہے۔

راہبؑ : یہ اتنا بڑا لشکر ہے کہ آج تک کبھی کسی مہم پر نہیں بھیجا گیا۔

خالدؑ : ممکن ہے ایسا ہی ہو۔

راہبؑ : بالکل ایسا ہی ہے۔

خالدؑ : میں بھی تسلیم کئے لیتا ہوں۔

راہبؑ : جس وقت یہ لشکر آپ پر حملہ کرے گا۔ آپ کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچ

سکے گا۔

خالدؑ : اسے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

راہبؑ : ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اندازہ لگا سکتا ہے۔

خالدؑ : قدرت میں عقل کو دخل نہیں دیا جاتا۔

راہبؑ : خیر اس بحث کو چھوڑیے۔

خالدؑ : آپ اپنا مطلب کہیں

راہبؑ : وردان چاہتا ہے کہ خونریزی بند کی جائے

خالدؑ : ہمارا بھی یہی منشا ہے میرا مطلب تمام مسلمانوں سے ہے۔

راہبؑ : بس تو پھر صلح ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہے

خالدؑ : بالکل نہیں

راہبؑ : اچھا تو سنئے ہمارا سردار کس طرح مصاحبت کرنا چاہتا ہے۔

خالدؑ : فرمائیے۔

راہب : آپ اور تمام دنیا اعتراف کرے گی کہ نیک دل وردان نے نہایت مناسب اور آپ کے فائدہ کی شرائط طے کی ہیں۔

خالدؓ : وہ شرائط تو بیان کیجئے۔

راہب : اس نے یہ طے کیا ہے کہ اگر آپ اپنے ملک کو لوٹ جائیں۔ تو وہ آپ کے ہر سپاہی کو ایک دینار، ایک ریشمی تھان ایک عمامہ اور آپ سو دینار، دس ریشمی تھان اور دس عمامے اور آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہزار دینار سو ریشمی تھان اور عمامے دیئے جائیں گے۔ خیال کیجئے وردان کس قدر مہربانی کرنے پر آمادہ ہیں۔

خالدؓ : وہ یہ مہربانی اپنی ہی قوم پر کریں۔

راہب نے حیرت سے خالدؓ کو دیکھ کر کہا : کیا آپ اس انعام اور اس اکرام سے انکار کرتے ہیں؟

خالدؓ : بالکل

راہب : اور آپ کیا چاہتے ہیں؟

خالدؓ : ہماری چار شرائط ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک مان لیجئے تو صلح ہو سکتی ہے۔ ورنہ ناممکن ہے۔

راہب : فرمائیے وہ شرائط کیا ہیں؟

خالدؓ : سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہر قتل اعظم ان لوگوں کو جنہوں نے اسلامی سفیر کو قتل کیا تھا گرفتار کر کے ہمارے حوالہ کر دے اور ہم سے معافی مانگے۔

راہب : یہ ناممکن ہے

خالدؓ : اگر یہ ناممکن ہے تو خود خون بہا ادا کرے

راہب : یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

خالدؓ : تو وہ مع اپنی قوم کے مسلمان ہو جائے تاکہ ہمارا بھائی بن جائے اور پھر کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔

راہب : یہ اتنا ہی مشکل ہے جتنا سورج بجائے مشرق کے مغرب سے نکلنے لگے۔

خالدؓ : تو وہ ہمیں جزیہ دے اور ہمارا اطاعت گزار بن جائے۔

راہب : تو یہ بے حد ذلت کی بات ہے اور وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔

خالدؓ : جب وہ ان چار باتوں میں سے کسی کو بھی منظور نہیں کر سکتا تو تو تیار ہمارا اس کا فیصلہ کر دے گی۔

راہب : مگر آپ یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کے سامنے اس قدر لشکر پڑا ہوا ہے کہ وہ حملہ کرتے ہی آپ کو کھل ڈالے گا۔

خالدؓ : آپ نے آج دیکھ لیا کہ ہمارے ایک سوار نے آپ کے انیس سپاہیوں کو مار ڈالا ہے۔ ہر مسلمان ہی جنگ کا شائق ہے جیسا وہ تھا جو آپ کے لشکر کے قریب گیا تھا۔ آپ کا لشکر جیسا میں نے سنا ہے پچاس ساٹھ ہزار ہے۔ ہمارے مقابلہ میں کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہ تو ہمیں کیا کچلے گا۔ ممکن ہے ہم ہی خدا کی مدد سے اس کا خاتمہ کر ڈالیں۔

راہب : مگر تم غلطی پر ہو کہ لشکر کو پچاس ساٹھ ہزار ہی سمجھ رہے ہو۔

خالدؓ : اور کس قدر ہے؟

راہب : پورا نوے ہزار ہے۔

خالدؓ : عیسائی لشکر کی تعداد معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ہزار کو بھیجا تھا۔ راہب نے صبح تعداد خود ہی بتا دی۔

خالدؓ نے کہا : ”نوے ہزار بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔“

راہب : مگر اس جیسے سینکڑوں لشکر میدان میں لائے جاسکتے ہیں۔

خالدؓ : کچھ پردہ نہیں ہے ہر قتل اعظم لشکر بھیجتا رہے اور ہم اسے ختم کرتے رہیں گے۔“

راہب : تو آپ کو صلح منظور نہیں ہے؟

خالدؓ : جو چار شرطیں صلح کی ہیں میں نے پیش کی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک اگر ہر قتل اعظم منظور کرے تو صلح ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

راہب : بہتر ہے : آپ اپنی موت کا انتظار کیجئے۔

تیرھواں باب

ضرار کی تیاری

دروآن نے اپنے لشکر کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا تھا اس کی بھی ہر صف ایک ہزار سپاہیوں کی تھی۔ جو ایک دوسرے سے فاصلہ پر کھڑے ہوتے چلے گئے تھے۔ اور اس طرح انہوں نے ایک سرے سے دوسرے تک تمام میدان بھر گیا تھا۔ ایک صف کے بعد دوسری صف تھی اور چونکہ نوے ہزار لشکر اس کے ساتھ تھا اس لئے نوے صفیں قائم کی گئیں۔ ایک صف دوسری صف سے کافی فاصلہ پر ہونے کے باعث دور تک لشکر پھیل گیا تھا۔

اس نے اپنے لشکر کی ترتیب اس طرح کی تھی کہ آگے پیدلوں کو رکھا تھا۔ اور سواران کے پیچھے تھے۔ وہ خود لشکر کے بیچ میں سائبان کے نیچے تھا۔ اور اس کے گرد مارس عمان کا بادشاہ مرقس ضمین کا، اردن جبل السودا کا، سرتیس عفرہ کا، بنی صلیون کا، جرناس یا ناکا، مریونس بلقا کا، اور کورک نابلس کا، یہ تمام بادشاہ اس کے گرد تھے۔ اور ان بادشاہوں کے چاروں طرف ان کے خاص رسالوں کے سوار لوہے کے لباس میں غرق کھڑے تھے۔

یہ تمام لشکر بڑھ رہا تھا اور اس کا بڑھنا بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے سمندر میں موجیں اٹھ رہی ہیں۔

مسلمانوں کے لشکر کو حرکت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جس جگہ اور جس حالت میں کھڑے تھے کھڑے

خالد: آپ کو اور دنیا کو معلوم ہو جانے گا کہ موت سے کون کھیل رہا ہے۔
راہب چلا گیا، خالد ٹوٹ آئے۔ انہوں نے واپس آکر ضرار سے دریافت کیا۔ تم نے اندازہ لگایا تھا کہ عیسائیوں کا کس قدر لشکر ہے؟
ضرار: جی ہاں میں نے ان کے علم گنے تھے پورے نوے تھے چونکہ ایک ایک علم ایک ایک ہزار سواروں پر ہوتا ہے۔ اس لئے کل نوے ہزار سپاہی ہیں۔
خالد: تمہارا اندازہ ٹھیک ہے اس راہب نے بھی نوے ہزار ہی بتایا ہے۔
اس کے بعد انہوں نے اپنی اور راہب کی تمام گفتگو سنا دی۔
اب جو انہوں نے عیسائی لشکر کی طرف دیکھا تو اس میں نقل و حرکت شروع ہو گئی۔ انسانوں کا طوفان افزا سیلاب ان کی طرف بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی طبل جنگ بھی زور زور سے بجنے لگا۔
خالد نے کہا: "مسلمانو! تیار ہو جاؤ، دشمن اپنی پوری شان پوری طاقت اور پورے جوش سے آ رہا ہے۔"
مسلمان بالکل مستعد ہو کر عیسائیوں کو بڑھتا ہوا دیکھنے لگے۔

رہے۔

جب عیسائیوں کا لشکر اتنی دوا گیا کہ تیروں سے ایک دوسرے پر حملہ کر سکے تو رک گیا۔
عیسائیوں کو تعجب تھا کہ مسلمانوں نے انہیں حرکت نہیں کی۔ خود مسلمان بھی متعجب تھے
کہ خالدؓ نے انہیں بڑھنے کا کیوں حکم نہیں دیا۔ اور کس لئے وہ ایک جگہ کھڑے ہیں۔ کیا سوچ رہے
ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔

حزرائؓ نے کہا یا سالارِ اعظم آپ مسلمانوں کو بڑھنے کا کیوں حکم نہیں دیتے؟
خالدؓ نے کہا "اس لئے کہ میں اس موقع کو جنگ کے لئے مناسب سمجھ رہا ہوں۔"
حزرائؓ : لیکن دشمن تو ہمارے نہ بڑھنے سے یہ سمجھ رہا ہوگا کہ ہم ڈر گئے ہیں۔
خالدؓ : سمجھنے دو۔ اچھا ہے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے۔

حزرائؓ : کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم میں سے کچھ جنگ کے لئے نکلیں۔
خالدؓ : ابھی نہیں۔ پہلے عیسائیوں میں سے کسی کو نکلنے دو۔

حزرائؓ خاموش ہو گئے۔ اس وقت عیسائی پیدلوں نے تیر برساتے چونکہ فاصلہ زیادہ نہ تھا
اس لئے تیر اسلامی لشکر میں آکر پڑے اور ان سے چند مسلمان زخمی ہو گئے۔

مسلمانوں کو جوش اور عافیت آگیا۔ انہوں نے بھی کانیں شانوں سے اتاریں اور ترکشوں میں سے تیر
نکال نکال کر چلوں میں جوڑے۔ لیکن فوراً حضرت خالدؓ نے اشارہ سے انہیں تیر چلانے کی ممانعت کر
اور سب نے کانیں جمادیں۔

حزرائؓ کو یہ دیکھ کر پھر طرارہ آیا۔ انہوں نے کہا کیا اب بھی حملہ کرنے کا وقت نہیں آیا؟

خالدؓ : نہیں ابھی اور صبر کرو۔

حزرائؓ : مگر مجھ سے صبر نہیں ہوتا ہے۔

خالدؓ : میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایک بہادر نکل کر عیسائی لشکر پر حملہ کرتا کہ عیسائیوں کو معلوم
ہو جائے کہ ہم میں ایسے ایسے بہادر ہیں جو تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ کر سکتے ہیں۔

حزرائؓ : تو آپ مجھے اجازت دیجئے۔

خالدؓ : اے شکم تم ایسے بہادر ہو۔ مگر ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے تم نے ان کے انیس آدمی

مار ڈالے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اور مشقت برداشت کرو۔

حزرائؓ : لیکن میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں ہوں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ مجھے
میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت دیں۔

خالدؓ : اچھا جاؤ۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ننگے بدن لڑو۔

حزرائؓ : میں بطرس کی زرہ پہن لوں گا۔

خالدؓ : ہاں یہ مناسب ہے۔

حزرائؓ چلے گئے۔ خالدؓ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے شیرانِ اسلام : عیسائی اپنی کثرت
کے زعم میں تمہیں پیس ڈالنے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن ان کا خدا پر پھر دوسرے نہیں ہے اور اس لئے
انشاء اللہ وہ فتح یاب نہ ہو سکیں گے۔ اور تمہارا خدا پر اعتماد ہے۔ یقیناً خدا تمہاری مدد کرے گا اور
تم کامیاب ہو گئے۔ صبر و استقلال اور ثابت قدمی سے لڑو۔ اگر تم نے اس مڈی دل شکر کو شکست
دے کر بھاگ دیا تو تمام عیسائی تم سے ڈرنے لگیں گے اور ساری دنیا میں تمہاری شہرت ہو جائے
گی۔ تم وہ جو جن کی زندگیاں پروردگارِ عالم کے بہشت کے صلہ میں خرید لی ہیں۔ اور بہشت ملیگی
جہاد کرنے اور لڑنے سے کیا اچھا سودا ہے کہ خداوندِ عالم اپنے پاک کلام قرآن شریف میں ارشاد
فرماتا ہے۔ اَمْوَالُكُمْ بِانْ لَّكُمْ الْجَنَّةُ لِقَاتُكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُفْتَنُكُمْ
تَقْبَلُونَ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاتِ وَفِي الْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ
أَدْنَىٰ مِّنَ اللَّهِ فَاَنْتَبِهُمُ الذِّكْرُ مَا يَنْتَبِهِيهِ ط وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ط یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال بہشت کے صلہ میں خرید لی ہے۔
وہ لوگ جو اللہ کے لئے لڑتے اور مارتے مرتے ہیں ان کے لئے توریت اور انجیل اور قرآن میں
وعدہ بہشت کا ہو چکا ہے اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون ہو سکتا ہے۔ خوشیاں کرو اس
پر اور یہ بڑی مراد ہے جو ملے گی۔

سوچو ! کون ایسا مسلمان ہے جو بہشت میں داخل ہونا نہیں چاہتا اور بہشت میں
داخلہ کی شرط ہے جہاد کرنا دشمنوں اور کافروں سے لڑنا۔ کس قدر خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہم جنگ
کو شہید ہو جائیں اور جنت کے حقدار بن جائیں۔ تیار ہو جاؤ۔ آست آزمائی کے لئے۔

مسلمانوں نے آواز دے کر کہا: ”ہم تیار ہیں“

خالدؓ: ”جو اک اللہ، اچھا ابھی ٹھہرو۔ اور صبر سے وقت اور موقع کا انتظار کرو“

اسی عرصہ میں مزار بطرس کی چاندی کی زرہ بکتر پہن کر آگئے۔

خالدؓ انہیں دیکھ کر مسکرائے مزار نے کہا: ”اب تو اجازت دیں گے آپ مجھے۔“

خالدؓ: ”ہاں اب جاؤ۔ خدا تمہاری مدد کرے، مسلمانو دعا کرو کہ خدا مزار کی اعانت کرے۔“

تمام مسلمانوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا مانگی۔

مزار دعاؤں کے سایہ میں روانہ ہوئے۔ انہوں نے گھوڑے کی باگ ڈھیلی کر دی اور وفادار

گھوڑا تیزی سے چلا۔

عیسائیوں نے انہیں آتے دیکھا۔ مگر چونکہ وہ عیسائیوں جیسی زرہ بکتر پہنے تھے، اس

لئے تمام عیسائی انہیں عیسائی سمجھے، انہیں خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں نے کسی عیسائی کو گرفتار کر

لیا ہے اور اسے کوئی پیغام دے کر بھیجا ہے۔

مزارؓ نے پیدلوں کی صفوں کے پاس پہنچ کر نیزہ تانا اور نہایت زوردار اور قوت سے حملہ

کیا۔ نیزہ ایک پیادہ کے سینہ میں پڑا اور وہ آہ کر کے گرا۔ اس کے گرتے ہی انہوں نے دھڑک

پر حملہ کیا اور اسے مار کر تیسرے پر پھر چوتھے پر حملہ آور ہوئے۔

عیسائی انہیں حملہ کرتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں ان کی حیرت دور بھی نہ ہوئی تھی اور

معاوضہ کی نوعیت بھی نہ سمجھے تھے کہ مزارؓ نے جلد جلد حملے کر کے دس بارہ سپاہیوں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا۔

عیسائی اب تک معاملہ میں تھے کہ وہ عیسائی ہیں۔ انہیں حیرت یہ ہو رہی تھی کہ ایک

عیسائی عیسائیوں پر کیوں حملہ کر رہا ہے۔

مزارؓ ان کی حیرت سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ وہ جلدی جلدی حملے کر کے انہیں قتل کر

رہے تھے۔ جس شخص کے سینہ پر ان کا نیزہ پڑتا تھا وہی آہ کر کے گر پڑتا تھا اور پھر اسے اٹھنے

کی نوبت نہ آتی تھی۔

یہ بڑی دلیری اور جرات کا کام تھا۔ صرف ایک تنہا شخص کا نو سے ہزار دشمنوں پر حملہ کرنا

کوئی معمولی بات نہ تھی۔

یہ جرات یہ ہمت محض اس لئے تھی کہ وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ دنیا کو دارالحق

اور قید خانہ سمجھتے تھے۔ شہادت کے تمنائی تھے۔ جانتے تھے کہ شہید ہو کر اس بہشت میں پہنچیں گے

جہاں آرام ہی آرام ہے۔

آج ہم مسلمان زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ موت سے ڈرنے لگے ہیں جو قوم یا جو شخص

موت سے ڈرتا ہے وہ بزدل ہو جاتا ہے چنانچہ ہم بھی بزدل بن گئے ہیں۔ اگر ہم بھی موت کو کھیل

سمجھنے لگیں تو ہماری جرات بڑھ جائے اور پھر کوئی قوم ہمارا مقابلہ نہ کر سکے۔

مزار حملے کر رہے تھے نہایت جوش اور بڑی جرات سے جس پر حملہ کرتے تھے اسے مار

ڈالتے تھے۔ اب انہوں نے گھوڑے کو عیسائیوں کی صف کے سامنے دوڑانا شروع کر دیا تھا۔

اور جو شخص ان کے قریب آ جاتا تھا اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیتے تھے۔

حسان بن عوف! مسلمانوں کے لشکر میں تھے وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے مزارؓ کو حملہ

کرتے دیکھا تو میں ذرا لشکر سے آگے اس لئے بڑھ گیا کہ شہر کروں کہ مزارؓ کتنے دشمنوں کو مارتے

ہیں اور پھر میں اتنے ہی دشمنوں کو مار ڈالوں۔

چنانچہ وہ گتے رہے جب مزارؓ کسی عیسائی کو مار ڈالتے تو وہ شہر کر لیتے انہوں نے گنا

کہ مزارؓ نے بیس عیسائیوں کو مار ڈالا۔

چونکہ انہوں نے بہت زیادہ جدوجہد کی تھی۔ اس لئے وہ اور ان کا گھوڑا پسینہ میں ڈوب

گئے۔ اور اب انہیں زرہ بکتر ناگوار اور بار معلوم ہونے لگی۔ انہوں نے جلدی جلدی زرہ بکتر اتارنا

شروع کی۔

مزارؓ کی عادت تھی۔ تنگے بدن لڑنے کی۔ زرہ بکتر تو کیا وہ کبھی کبڑے پہن کر بھی نہ لڑا کرتے

تھے۔ اس وقت پسینہ نے انہیں بوکھلا دیا اور انہوں نے زرہ بکتر اتار کر پھینک دی۔

اب انہوں نے نعرہ لگا کر کہا: ”عیسائیو! دیکھو اور پہچانو میں مزارؓ ہوں آؤ رکاب بیٹا۔ اسلحہ

شیر ہوں۔ میں وہ ہوں جس نے اب تک سینکڑوں عیسائیوں کو مار ڈالا ہے۔“

اب عیسائیوں نے نظریں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھا وہ انہیں پہچان گئے۔ ان کی شہرست

جو شخص وردان سے بات کر رہا تھا اس نے کہا: "میں اس کا سرے کر آؤں گا۔" وردان تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔
یہ سنتے ہی وہ شخص بڑھا اور لشکر کی صفوں میں سے نکل کر مزار کی طرف چلا ضرار نے دیکھ لیا۔ وہ اس سے لڑنے کے لئے مستعد ہو گئے۔

تمام ملک شام میں پھیل گئی تھی۔ ہر شخص کو معلوم ہو گیا تھا کہ ایک شخص ننگے بدن ہو کر لڑتا ہے اور اس کا نام ضرار ہے۔ نہایت بہادر اور شیر دل ہے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا کہ جس شخص کو وہ اب تک عیسائی سمجھتے رہے تھے وہ عیسائی نہ تھا۔ اور وہ بھی ضرار۔

اس وقت مزاران کی صفوں سے ذرا پیچھے ہٹ آئے تھے اور ستانے لگے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کا گھوڑا تھکنے لگا ہے اسے آرام پہنچانے کے لئے اور خود بھی دم درست کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

وردان نے انہیں دور سے دیکھ کر اپنے پاس کھڑے ہو نیا والوں سے کہا۔
"کون شخص ہے؟ یہ بڑا بہادر ہے۔ اس اکیلے نے اتنے عظیم الشان لشکر پر کس ریلہی سے حملے کئے ہیں؟"

ایک شخص نے کہا: "جنوریہ وہ شخص ہے جو ہمیشہ ننگا ہو کر لڑتا ہے۔"
وردان: کیا یہ ضرار ہے؟
وہی شخص: جی ہاں۔ بڑا ہی شیطان ہے۔

وردان: آہ یہی وہ شخص ہے جس نے میرے جگر کو داغدار بنا دیا ہے۔ اس نے ہی میرے بیٹے مران کو قتل کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اسے مار کر اس کا سر لائے یا اسے زندہ گرفتار کر لائے تو میں اسے اس قدر انعام دوں کہ وہ دنیاوی دولت سے بے نیاز ہو جائے۔

وردان مع اپنے بیٹے اور لشکر کثیر سے دمشق والوں کی مدد کے لئے مجب کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ حضرت خالدؓ نے مزار کے ساتھ کچھ لشکر بھیج کر ہدایت کی تھی۔ کہ وہ اس لشکر کو دمشق تک نہ آنے دیں۔ چنانچہ مزار نے اس لشکر کو دور ہی روک دیا۔ اور جنگ شروع کر دی نہایت خون ریز لڑائی ہوئی۔ اثنائے جنگ میں مزار نے وردان کے بیٹے کو مار ڈالا تھا اور تمام عیسائی لشکر کو پرانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وردان بمشکل اپنی جان بچا کر لے جاسکا تھا۔
(عادل حسین صدیقی)

عظیم شہر

یہ شخص جو مزار کے مقابلہ کے لئے نکلا جردن تھا جو طبریہ کا بادشاہ تھا وہ چاندی کی
زرد بکتر پہنے تھا۔ جس میں موتیوں کی جھلک لگی ہوئی تھی۔ سونے کا خود اور ڈھلے تھا اور اپنا تاج تھا
جروں نہایت بہادر اور گرانڈیل تھا۔ اسے اپنی دلیری پر بڑا ناز تھا۔ اس کی بہادری کی
شہرت سارے ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔
مزار ڈرا پیچھے ہٹ گئے اور جب جردن ان کے قریب آیا تو انھوں نے اپنے نیزہ کو تولا۔
جروں عربی زبان جانتا تھا۔ اس نے کہا ”اے شیطان تو نے حیران کو قتل کر کے وردان
کے دل میں ناسور ڈال دیا ہے۔ اور اب میں بیس عیسائیوں کو قتل کر کے میرے دل میں جوش
و غضب کی لہر دوڑا دی ہے۔ میں ان سب کا انتقام لینے کے لئے آیا ہوں۔“
مزار نے کہا۔ تو انتقام لینے آیا ہے۔؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں تو بھی ان آدمیوں
کے ساتھ جنہیں میں نے ڈال ہے دوزخ میں جیائے کے لئے آیا ہے؟
جروں کو بڑا غصہ آیا اس نے کہا ”شریر انسان! دیکھ دوزخ میں کون جاتا ہے اور
کون موت کا ہمان بنتا ہے؟“

مزار: یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔ نکال تلوار اور حملہ کر۔
جروں نے فوراً تلوار کھینچ لی اور گھوڑا بڑھا کر مزار پر حملہ کیا۔

مزار نے بھی گھوڑا بڑھایا۔ اس کا حملہ ڈھال پر روکا اور نہایت قوت سے اس پر نیزہ کا وار کیا
جروں کچھ گھبرا گیا۔ اس نے ڈھال اٹھائی۔ لیکن ابھی ڈھال اپنے سامنے لا بھی نہ سکا
تھا کہ مزار کا نیزہ اس کے سینہ میں پڑا اور زرہ کو توڑ کر سینہ کو چیرتا ہوا پشت کی طرف نکل گیا۔
جروں نے نہایت زور و جوش ماری اور پیچھے کی طرف جھک گیا۔
مزار نے کھینچ کر نیزہ نکالا۔ جردن زمین پر گرا۔ مزار نے گھوڑے سے اتر کر اس کی زرہ
اتار لی۔ خود اور تاج قبضہ میں کر لئے اور تلوار اور ڈھال لے لی۔

تمام عیسائی اور وردان دیکھ رہے تھے۔ انھیں غصہ بھی آیا اور رنج بھی ہوا۔ وردان نے
افسوس بھرے لہجے میں کہا ”جروں کیا تھا اسے قتل کرنے کے لئے لیکن خود ہی مارا گیا۔
میں سمجھتا میں میرے لشکر میں کوئی بھی ایسا بہادر نہیں ہے جو اس شیطان کو مار سکے۔ آہ کس
قدر افسوس ناک بات ہے یہ۔“

وہ غم اور افسوس بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسی خیال سے کہ شاید کوئی
اور بہادر مزار کے مقابلہ میں نکلنے کی جرأت کرے۔

مگر عیسائیوں پر مزار کا رعب طاری ہو گیا تھا اور سب دم بخود خاموش کھڑے تھے۔
وردان نے کہا ”بس اب مجھے ہی اس شیطان کے مقابلہ میں نکلنا پڑے گا۔ میں ہی
اس غصے اپنے بیٹے کا انتقام لوں گا۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنے غلام سے ہتھیار طلب کئے اور تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے کو بڑھایا
ابھی وہ بڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کی پشت کی طرف سے ایک قوی ہیکل عیسائی
گھوڑا بڑھا کر اس کے سامنے آیا۔

اس عیسائی کا نام امطفان تھا۔ یہ ٹان کا بادشاہ تھا۔ نہایت بہادر اور شیر دل
تھا۔ اس نے کہا ”اعلیٰ حضرت کیا آپ اس شیطان اور ناکس انسان کے مقابلہ میں جا رہے ہیں
وردان: کیا کروں جب نوے ہزار لشکر اور بیسیوں بادشاہوں میں ایک بھی ایسا
بہادر نہیں ہے جو اسے گرفتار کر کے لائے یا قتل کر کے آئے۔ تو پھر میں مقابلہ میں نہ
نکلوں تو کسے بچوں؟“

اصطفان : آپ اطمینان رکھیں میں اس کا سر آپ کے پاس لاؤں گا۔

وردان : تم بے شک تم سے یہ امید ہے۔

اصطفان : لیکن حضور اس صلہ میں مجھے انعام کیا ملے گا؟

وردان : جو تم طلب کرو گے۔

اصطفان : کیا حضور ایک وعدہ فرمائیں گے۔

وردان : کیا؟

اصطفان : میں حضور کی ناز آفرین بیٹی سے محبت رکھتا ہوں۔ کیا حضور اپنے خاندان

میں شامل کر لیں گے۔

وردان : ضرور۔ اگر تم اس شیطان کو زندہ گرفتار کر لائے یا اس کا سر کاٹ لائے

تو میں تمہارا نکاح اپنی لڑکی کے ساتھ کر دوں گا۔

اصطفان : میں حضور کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اطمینان دلاتا ہوں کہ اس بد بخت

کا سر لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔

وردان : اور اس وقت میرے غفہ کی آگ ٹھنڈی ہوگی۔

اب اصطفان نے سلام کیا اور گھوڑا بڑھایا۔ چونکہ وہ بھی بادشاہ تھا اس لئے چاندی

کی زرہ، سونے کا خود اور اور خود پر تاج اوڑھے تھا۔ اس کے گھوڑے کی لائیں اور

لگام میں بھی چاندی کی لڑیاں اور کڑے لگے ہوئے تھے۔

وہ عیسائی لشکر کی صفوں سے نکل کر مزار کی طرف بڑھا۔ مزار بھی آمادہ ہو گئے اس

کا چاندی کا لباس، سونے کا خود اور تاج دھوپ میں جگمگا رہے تھے۔ اس نے مزار

کے قریب پہنچ کر کہا: "مشریق شیطان اب تیری سوت آگئی۔"

اصطفان عربی نہیں جانتا تھا۔ اس نے رومی زبان میں گفتگو شروع کی مزار رومی

زبان سے تاوقف تھے۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھے کہ اس نے کیا کہا، انہوں نے کہا کم بخت

کیا بڑبڑا رہا ہے۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آتا۔

اصطفان نے سونے کی صلیب نکالی جس میں میرے جڑے ہوئے تھے اور چاندی

کی زنجیر میں لٹک رہی تھی۔ اس نے صلیب کو بوسہ دیا۔

مزار نے برا سامنے بنا کر کہا: "صلیب پرست کتے! صلیب سے مدد چاہتا ہے

میں خدا سے اعانت چاہتا ہوں۔ دیکھو تیری صلیب تجھے فتح مند کرتی ہے یا میرا خدا

مجھے فتح دیتا ہے۔"

اصطفان عربی بالکل نہ سمجھتا تھا۔ اس نے نہایت شدت سے مزار پر حملہ کیا انہوں

نے ڈھال پر تلوار رد کی اور اس پر نیزہ سے وار کیا۔

اصطفان نہایت تجربہ کار تھا۔ اس نے نیزہ کو ڈھال پر روک لیا اور پھر خود حملہ کر دیا

دونوں فنون حرب سے خوب واقف تھے۔ نہایت آزمودہ کاروں کی طرح جنگ

کھڑے تھے۔

چونکہ دو پہر کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لئے دھوپ میں گرمی آگئی تھی اور اس وجہ سے

اصطفان اور مزار اور ان دونوں کے گھوڑے پسینہ سے تر ہو گئے تھے۔

جب جنگ نے طول کیسپا تو خاک گردنے آواز دے کر کہا: "مزار یہ کیا سستی ہے کیوں جنگ

کو طول دے رہے ہو؟"

مزار اس آواز کو سن کر سنبھل گئے انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔

اصطفان کچھ گھبرا گیا۔ مگر رومیوں نے شور مچا کر اس کی ہمت افزائی کی وہ بھی جوش

میں آگیا اور نہایت دلیری سے لڑنے لگا۔

دونوں پوری طاقت اور پورے جوش سے لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے دیر ہو گئی تھی۔

مگر اب تک کوئی ذریعہ نہ ہوا تھا۔

اصطفان کا گھوڑا کسی قدر موٹا تازہ تھا وہ زور زور سے ہانپنے لگا تھا۔

مزار کی نظر اتنا عیسائیوں کے لشکر کی طرف اٹھ گئی۔ انہوں نے ایک سوار کو آتے ہوئے

دیکھا۔

یہ سوار اصطفان کا غلام تھا وہ اپنے آقا کے لئے دوسرا گھوڑا لایا تھا۔

مزار سمجھے کہ وہ اس کی مدد کے لئے آ رہا ہے انہوں نے اپنے گھوڑے سے کہا۔

”پیارے گھوڑے میں جانتا ہوں کہ تو تھک گیا ہے لیکن ذرا دیر کے لئے مضبوطی اور چالاکی سے کام لے درہمیں تیری ثباتیت قبر شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرونگا انھوں نے یہ بات ذرا ذرا سے کہی تھی جسے تمام مسلمانوں نے سن لیا تھا۔

گھوڑا گویا سمجھ گیا تھا وہ ہنسنایا اور بازو کھول کر چلا۔ نہایت نیازی اور پوری رفتار سے۔ وہ اصطفان کے غلام کے پاس پہنچا۔ مزار نے اس کے نیزہ ملا۔ نیزہ کی اتنی ہنسلی توڑ کر پار ہو گئی۔ غلام مردہ ہو کر گرا۔ مزار جلدی سے اپنے گھوڑے سے اترے اور اس گھوڑے پر سوار ہو گئے جو غلام اصطفان کے لئے لارہا تھا۔

انھوں نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور وفادار گھوڑا ہنسناتا ہوا اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب مزار تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر اصطفان کی طرف دوڑے۔ چونکہ اصطفان کا گھوڑا تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اس لئے اسے یقین ہو گیا کہ مزار آتے ہی اس کا خاتمہ کر ڈالیں گے۔ مگر وہ گھبراہٹ نہیں بلکہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ مزار نے اس کے پاس آتے ہی شدت سے اس پر حملہ کیا۔ اس نے بڑی جان بازی سے حملہ روک کر خود بھی وار کیا۔

پھر دونوں کی جنگ ہونے لگی۔ اصطفان کی تلوار اور مزار کا نیزہ چلتے لگا۔ کچھ دیر میں اصطفان تھک گیا۔ اس نے رومی لشکر کی طرف دیکھ کر بلند آواز سے کہا۔ اے رومیوں! کیا تم مجھے اس شیطان کے ہاتھوں ہلاک کراؤ گے۔ مزار نہیں سمجھے کہ اس نے کیا کہا۔ لیکن انھوں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مدد طلب کر رہا ہے۔ انھوں نے جلدی جلدی چلے کر نئے شروء کر دیئے۔

مگر اصطفان بھی شہر دل تھا۔ وہ حملے روک کر خود بھی چلے کر رہا تھا۔ دونوں بہادر اس طرح لڑائی میں مصروف تھے کہ مسلمانوں کے لشکر سے شور اٹھا۔

دونوں اس طرف دیکھنے لگے۔ مزار نے دیکھا کہ مسلمان عیسائی لشکر کی طرف کچھ اشارہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس طرف نظر ڈالی تو انھیں کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔

وہ سمجھ گئے کہ اصطفان کی مدد کے لئے رومی آرہے ہیں۔ انھوں نے اس خیال سے کہ مدد آنے سے پہلے اس کا خاتمہ کر دیں۔ نہایت فرور سے حملہ کیا۔ اصطفان نے ان کا حملہ روکا۔ اب پھر دونوں میں جنگ ہونے لگی۔

ضرار کی جرات

جس وقت اصطفان نے فریاد کے طور پر رومیوں کی طرف مخاطب ہو کر وہ الفاظ کہے تھے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ تو انہیں رومیوں نے سن لیا تھا۔ اور وردان سے بیان کر دیا تھا۔ وردان نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا: ”کس قدر شیطان ہے یہ مسلمان اتنے آدمی مار چکا ہے صبح سے بظور ہے اور پھر اب تک نہیں تھکا۔ میرا خیال تھا کہ اصطفان اسے قتل کر کے اس کا سرے آئے گا۔ مگر مجھے اندیشہ ہو گیا ہے کہ کہیں وہ خود ہی نہ مارا جائے۔ اس لئے اس کی مدد کرنی ضرور ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے پس و پیش دیکھا اور کہا: ”ماری، مرقس، ادرن، بنجا، عفریاس مریوس، کورک، نیر اور قالہ تم سب میرے ساتھ چلو۔“

یہ سب بادشاہ تھے اور بہادر مانے جاتے تھے۔ یہ لوگ لوہے کی زرہ بکترین اور لوہے کے موزے پہنے ہوئے تھے اور لوہے کی ہی ڈھالیں لئے ہوئے تھے۔

وردان چاندی کی ایسی زرہ میں لپٹا ہوا تھا۔ جس کے ہاشیوں پر سونے کا منقش پتھر لگا ہوا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے ہکوں میں نعل دیا قوت لٹک رہے تھے۔ ایک بڑا تاج اس کے سر پر تھا۔

ان لوگوں نے اپنے گھوڑے کو بڑھایا اور صفوں سے نکل کر گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر کے

ضرار کی طرف چلے۔

ان لوگوں کو دیکھتے ہی مسلمانوں نے شور کیا۔ یہی شور تھا جسے سن کر اصطفان اور ہزاروں اور دیکھنے لگے تھے۔

اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ اگر ایک ایک آدمی کی جنگ ہوتی تھی تو دوسرا آدمی اس کی مدد کے لئے نہ نکلتا تھا۔ اور اگر کوئی نکلتا تو بد عہدی سمجھی جاتی تھی۔

چنانچہ مسلمانوں نے ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھ کر اس لئے شور کیا تھا کہ وہ لوگ یہ عہدی پر اتر آئے تھے۔

خالدؓ نے کہا: ”کس قدر بزدل ہیں یہ لوگ کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں ایک تو لڑ ہی رہا تھا۔ دس اور نکل آئے۔ اب میں بھی صبر نہیں کر سکتا۔ میں بھی نو آدمیوں کو لے کر ان پر حملہ کر دوں گا۔“

انہوں نے مسلمانوں کی طرف دیکھ کر کہا: ”ابن سعید، مالک اشتر، عمر بن العاص، عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق، عبداللہ بن عمر فاروق، نعمان، شرجیل اور قیسؓ تم میرے ساتھ چلو۔“

حضرت خالدؓ نے جن نو آدمیوں کا انتخاب کیا وہ ایسے بہادر تھے کہ ان میں سے ہر شخص پانچ پانچ سو دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ اور مستعد رہتے تھا۔

یہ سب شیر دل خالدؓ کے ساتھ چلے۔ انہوں نے بھی شیران اسلام کی صفوں سے نکل کر کمر گھوڑے چھوڑ دیئے۔

وردان مع اپنے نو ساتھیوں کے ضرار کے قریب پہنچ گیا۔ ضرار انہیں دیکھ کر کچھ گھبرائے نہیں بلکہ اصطفان کے مقابلہ سے ہٹ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ تمام رومی ان کے سامنے اور پیش نظر رہے۔

وردان نے کہا: ”شریر شیطان! آج میں تجھ سے اپنے بیٹے کا بدلہ لوں گا۔“
وردان عربی خوب جانتا تھا۔ اس نے عربی زبان ہی میں کہا تھا۔ ضرار نے ہنس کر کہا: ”مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اپنے بیٹے کے پاس دوزخ میں جانے کیلئے تیار ہو کر آیا ہے۔“

وردان کو ان کی یہ بات نہایت ناگوار گزری۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: ”کیا دیکھتے ہو؟“ اور اس شیطان کا خاتمہ کر دو۔“

اس کے ساتھی مزار کی طرف بڑھے۔ لیکن ابھی دو چار قدم ہی چلے تھے کہ اللہ اکبر کی پر زور آواز آئی۔ وہ گھبرا کر اسلامی لشکر کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں اس طرف سے چند سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ بھجک کر کھڑے ہو گئے۔

یہ آنے والے سوار خالد اور ان کے ہمراہی تھے۔ خالد نے مزار کے قریب پہنچ کر کہا: ”بشارت ہو تمہیں اسے مزار اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہارے لئے مدد آگئی اور تم دشمنوں کے خوف سے بے نیاز ہو گئے۔“

مزار نے کہا: ”میں خدا کا شکر گزار ہوں۔ مگر دیکھو میرے شکار پر کوئی حملہ نہ کرے۔ یعنی جس سے میں لڑ رہا تھا۔ اس سے کوئی نہ لڑے وہ میرے لئے ہے اور انشاء اللہ میں اسے قتل کر کے ہڈیوں کا۔“

خالد نے مسکرا کر کہا: ”تمہیں مبارک ہو۔ ہم ہیں سے کوئی بھی اس سے نہ لڑے گا۔ میں تو اس تاج والے کا مقابلہ کروں گا اور باقی سب ایک ایک سے ایک جنگ شروع کر دے۔ ہر شخص اپنے اپنے سامنے والے کے پاس جا کر لڑائی میں مصروف ہو گیا۔ خالد ورنہ کے سامنے پہنچ گئے اور مزار اصطفان کی طرف چھپے۔“

اصطفان کانپنے لگا تھا۔ دراصل اس میں اب لڑنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ سچ پوچھئے تو اس نے اس وقت تک اور اتنی دیر تک مزار جیسے شیر نر سے لڑ کر اپنی بہادر کی کاشتوت دیا تھا۔“

مزار نے جاتے ہی اس پر حملہ کیا۔ اس سے ڈھال نہ اٹھ سکی اور وہ جلدی سے گھوڑے کی پشت سے نیچے گرا اور گرتے ہی بلند آواز سے پکارا۔

”یا شاہ وردان مجھے اس شیطان سے بچاؤ۔“

وردان پر خالد نے حملہ کر دیا تھا۔ اور اسے خود اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی تھی۔ اس نے کہا: ”بے وقوف اور بزدل انسان! میں خود یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے ان درندہ انسانوں

سے کون بچائے گا۔ ہمت کر اور لڑیں اپنے وعدہ پر قائم ہوں۔ تو اپنا وعدہ پورا کر۔“ لیکن اصطفان کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ تمام اقرار اور سارے وعدے بھول گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی اس کی مدد کو نہیں آسکتا۔ اور ہر شخص اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہے تو وہ اپنے لشکر کی طرف بے تحاشا بھاگ پڑا۔

اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر مزار کو بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے ڈیٹ کر کہا۔

”نامرد! کہاں بھاگا جاتا ہے؟“

یہ کہتے ہی وہ بھی گھوڑے سے کودے اور اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔

اصطفان موٹا تازہ اور لمبا چوڑا تھا۔ نہایت مشکل سے بھاگ رہا تھا اور مزار دبلے پتلے ہلکے پھلکے تھے تیزی سے دوڑ رہے تھے۔

جب کہ یہ دونوں بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ اس وقت ابن سعید نے مارس پر حملہ کیا۔ جس قدر ابن سعید کو جوش اور غصہ تھا۔ اس قدر کسی کو بھی نہ تھا۔ انہوں نے جوش میں آکر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ مارس نے ڈھال سامنے کر دی۔ ابن سعید کی تلوار نے ڈھال کو پھاڑ ڈالا۔ اور اس کے خود کے اوپر سے اتر کر زنجیروں کو توڑتی لگے کو حلق تک چیر گئی۔

مارس نے ایک عوف ناک چیخ ماری اور گھوڑے سے کتر پھینکے گا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر تمام ردی لرز گئے اور اپنی اپنی موت کا یقین ہو گیا۔

قیس اردن سے ابھر رہے تھے۔ ابن سعید نے ان کے پاس پہنچ کر کہا: ”کیا مہربانی کر کے آپ مجھے اس شخص سے لڑنے کا موقع دیں گے؟“

قیس: ”اسے تو میں ابھی ختم کئے دیتا ہوں۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے جوش سے حملہ کیا اور اسی کاری ضرب لگائی کہ اردن کشتہ ہو کر گرا۔ ابن سعید مالک اشتر کے پاس پہنچے۔

مالک اشتر بڑے لمبے قد کے تھے اور وہ اپنے سے اونچے گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے۔ مگر گھوڑے پر بیٹھنے سے ان کے پیر زمین پر لگنے لگتے تھے۔ مجبور ہو کر وہ اپنے گھٹنے موڑ لیا کرتے تھے۔ وہ کورک سے بڑے تھے۔

ابن سعید نے کہا: ”تم کیوں محنت کر رہے ہو۔ مجھے اجازت دو میں اس سے لڑوں
مالک اشترؓ نے مسکرا کر کہا: ”تمہارا شکریہ اگویا تم یہ چاہتے ہو کہ اس سے زیادہ لڑ
کر زیادہ ثواب حاصل کر دیکو کہ تم اپنے مقابل وائے کو تو ختم ہی کر چکے ہو۔ نہیں مجھے بھی ثواب
حاصل کرنے دو۔ سوچو تو سہی روز روز تو ایسے مواقع ملتے نہیں آتے۔“

کہتے ہی انھوں نے تلوار پھینک کر کورک کے ماری۔ وہ اس سے بچنے کے لئے ہٹا
انھوں نے جلدی سے گھوڑا بڑھا کر اس کی کمریوں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور اس زور سے پیکا۔ کہ
اس کی ہڈیوں کا چور ہوا ہو گیا۔ ابن سعیدؓ نا اسید ہو کر آدھے بڑھے۔

جب کہ اس طرف یہ ہنگامہ برپا تھا۔ ادھر مزارؓ نے دور کر اصطفان کو جا پکڑا، مگر
وہ بہت دور عیسائیوں کے لشکر کے قریب جا کر ہاتھ آیا۔

مزارؓ نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اصطفان کی تلوار اس وقت گر گئی تھی۔ جب وہ گھوڑے
سے گرا تھا۔ چونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں مزار بھی کو دکر اس کے پیچھے نہ دوڑ پڑیں۔ اس لئے
وہ بغیر تلوار اٹھائے بھاگ پڑا تھا۔

مزارؓ نے اس کے مونڈے جا پکڑے اور اس سے کشتی لڑے لگے۔ وہ نہایت
پتلے دبیلے اور اصطفان موٹا تازہ تھا۔ اس طرح کشتی لڑنے سے اس کے دل میں امید ہوئی کہ
شاید وہ انھیں کشتی میں زیر کرے۔

اس نے پوری طاقت سے انھیں ڈھکیلنا شروع کیا۔ مگر وہ درخت کی طرح جم کر
کھڑے ہو گئے۔ پورا زور لگانے پر بھی پیچھے نہ ہٹے یہاں تک کہ اصطفان کو پسینہ آ گیا۔

اب مزارؓ نے اس کا آزار بند پکڑ کر زور لگایا اور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر اسے اٹھالیا۔
اصطفان کا بند بند کا نپ اٹھا۔ مزارؓ نے جلدی سے اسے بڑے زور سے دے پیکا۔
اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ اٹھ نہ سکا۔

اب مزارؓ نے اپنی تلوار اٹھائی اور اس کی طرف بڑھے۔ موت اس کی آنکھوں کے
سامنے پھر گئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے چلا کر کہا۔ آہ! بچاؤ مجھے بچاؤ۔
اس کی کہ یہہ اور بلند آواز سے تمام میدان گونج اٹھا۔

مزارؓ جلدی سے اس کے سینہ پر چڑھ گئے۔ اصطفان نے پھر شور و فریاد کرتے
ہوئے کہا: ”ارے کوئی بچاؤ۔ آہ! یہ مجھے مار ڈالے گا۔ آؤ جلدی آؤ۔“

اس نے اس زور سے یہ الفاظ کہے کہ دونوں لشکروں نے سنے۔ فوراً ہی ردی لشکر
نے حرکت کی اور سیلاب کی طرح تیزی سے بڑھنے لگا۔

مزارؓ کی نظر دمیوں کی طرف تھی۔ انھوں نے انھیں بڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ انھوں نے
منہ بنا کر کہا: ”سارے ہی لشکر نے حملہ کر دیا ہے۔ اگر میں نے ذرا بھی توقف کیا تو کم بخت
مجھے آکر پیس ڈالیں گے۔“

یہ کہتے ہی انھوں نے اس کے سینہ میں تلوار گھونپ دی۔ وہ زور سے چلایا، ”تڑپا اور
پھر ٹھنڈا ہو گیا۔“

مزارؓ نے جلدی جلدی اس کی زرہ بکتر خود اور دوسری چیزیں لیں اور وہاں سے واپس
لوٹے۔“

جس طرح وہ دوڑ کر گئے تھے۔ اسی طرح دوڑ کر اس لئے واپس لوٹے تاکہ جلدی
سے گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔

دوڑ بھاگ کر وہ گھوڑے کے پاس آئے اور اس پر سوار ہوئے۔
ابھی تک مسلمان اپنے دشمنوں سے لڑ رہے تھے۔ خالدؓ در دآن سے جنگ کر رہے
تھے۔ اس وقت انھوں نے اور تمام مسلمانوں نے عیسائی لشکر کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ
اور بھی جلدی جلدی حملے کرنے لگے تاکہ لشکر کے آنے سے پہلے دشمنوں کا خاتمہ کر ڈالیں۔

ناتمام جنگ

جب اسلامی لشکر نے رومی لشکر کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے بھی نہ رہا گیا۔ اور انھوں نے بھی بڑھنا شروع کر دیا۔ لہذا ان کی صفیں اتنی ہی تھیں۔ جتنی عیسائیوں کی تھیں۔ عیسائیوں کے پیادے ایک طرف ہٹ گئے تھے اور سوار آگے بڑھ رہے تھے۔ گھوڑوں کے سموں سے زمین ہل رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ خالہ وردان پر حملہ کر رہے تھے۔ لیکن وردان بھی دلیر اور آزمودہ کار تھا نہایت ہوشیار بھی سے لڑ رہا تھا۔

البتہ وہ یہ ضرور سمجھ گیا تھا کہ آج اس کی موت اسے میدان جنگ میں لائی ہے اور اس کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔

وہ دعائیں مانگ رہا تھا کہ کسی طرح لشکر جلدی سے اس کے قریب آجائے تاکہ اس کی جان بچ سکے۔

ادھر خالد یہ چاہ رہے تھے کہ اس کے لشکر کے آنے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر ڈالیں مگر یہ ممکن نہ ہوا اور عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر پہنچ کر ان پر ٹوٹ پڑا۔

اس لشکر کے آتے ہی وردان موقع پا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اور خالہ نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ ان کا حملہ اس قدر محنت ہوا کہ پہلی صف کے کئی آدمی قتل ہو کر گرے۔

ابن سید جو لوگوں کی خوشامدیں کرتے پھر رہے تھے کہ وہ اپنے دشمن سے انھیں لڑنے کی اجازت دے دیں۔ سارے لشکر کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ جوں ہی لشکر قریب آیا وہ بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے اور جلدی جلدی تلواریں مار مار کر انھیں قتل کرنے لگے۔ ان کے ایک ہاتھ میں ڈھال تھی اور ایک میں تلوار وہ ڈھال اپنے سر پر اٹھائے ہوئے تھے اور تلوار سے اس پھرتی کے ساتھ حملے کر رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔

جس اجل رسیدہ کے سر پر ان کی تلوار جا پڑتی تھی وہ کشتہ ہو کر گر پڑتا تھا انھوں نے اس جگہ جہاں وہ تھے پہلی صف کو درہم برہم کر دیا تھا اور ان کی آن میں پندرہ سو آدمیوں کو مار ڈالا تھا۔ جوں جوں وہ قتل کرتے جاتے تھے ان کا جوش اور غصہ بڑھتا جاتا تھا وہ پہلی صف سے گزر کر دوسری صف سے گزر رہے تھے اور ہر حملہ میں کم سے کم ایک رومی کو مار ڈالتے تھے۔ قتل و خونریزی کرنے میں وہ ایسے حریف ہو گئے تھے کہ یہ چاہتے تھے کہ سارے لشکر کو تنہا ہی مار ڈالیں۔

عیسائی ان پر پیکر جوش و غضب کو دیکھ کر گھبرا گئے تھے اور ان کے سامنے سے ہٹ کر ادھر ادھر ہو جاتے تھے۔

انھوں نے دوسری صف میں بھی دس بارہ آدمیوں کو قتل کر کے تیسری صف پر حملہ کر دیا تھا۔ اور اس صف میں قتل عام شروع کر دیا تھا۔

ادھر خالد بھی لاشوں پر لاشیں گراتے، صفوں پر صفیں توڑتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ مزار بھی تیار ہو گئے تھے۔ اور وہ بھی رومی لشکر کے قریب آتے ہی نیزہ سے نیزہ سے حملہ آور ہو کر اپنے سامنے والوں کو قتل کرنے لگے تھے۔

عبدالرحمن، عبداللہ، عمرو، نمنان اور شرجیل بھی اپنے اپنے مقابلہ والوں کو قتل کر کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور بڑے ضبط و استقلال نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے تھے۔ انھوں نے بھی عیسائیوں کو مار مار کر لاشوں پر لاشیں ڈال دی تھیں۔

وردان جن نو آدمیوں کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا سکا تھا۔ سب کے سب مارے گئے تھے۔ اتفاق سے ایک دکان ہی تھا جو لشکر کے بروقت آجانے سے

نکال گیا تھا۔

صرف گیا رہے مسلمانوں نے تمام لشکر کو روک دیا تھا، نہ صرف روک دیا تھا۔ بلکہ قتل عام شروع کر دیا تھا۔

یہ کچھ کم جرات اور حیرت کی بات نہ تھی۔ تاریکیوں مسلمانوں کی ایسی ایسی ہی حیرت کی باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد اسلامی لشکر بھی آگیا۔ اور ہر مسلمان نے آتے ہی نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ اب باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ عیسائیوں نے گھلے پھاڑ پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا۔ زخمی چلانے اور گھوڑے نہانے لگے۔ ان مختلف آوازوں سے تمام میدان شور و غلہ آواز سے گونجنے لگا تھا۔

کہیں صاف شفاف تلواریں اور کہیں خون میں بھری ہوئی شمشیریں دھوپ میں بلند ہو رہی تھیں۔ اور بلند ہو کر انسانوں کے سروں پر جھک رہی تھیں۔

لوگ اس تیزی سے قتل ہو کر گر رہے تھے جیسے خزاں کے موسم میں درختوں کے پتے گرتے رہتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرے کے بعد چار گرتے چلے جا رہے تھے۔

دراصل اس وقت ہر شخص رونی ہو جا مسلمان جوش و غضب میں بھرا ہوا تھا اور نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔

چونکہ جنگ کا محاذ دوڑ تک پھیل گیا تھا۔ صفیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ اس لئے جنگ کی آگ حدنگاہ تک مشتعل ہو گئی تھی اور اس آگ میں سرفروزش جل جل کر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

جنگ اس زور شور سے ہو رہی تھی کہ کسی ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہ تھی۔ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار تھا۔

عیسائیوں کو اس لئے غصہ تھا کہ ان کے بہت سے آدمیوں کو مسلمانوں نے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کر ڈالا تھا۔ جس میں کئی بادشاہ تھے۔ اس کے علاوہ انھیں اپنی کثرت پر زلم تھا

مسلمانوں کو اس لئے طیش آ رہا تھا کہ انھوں نے بلا وجہ ان کے ایک سفیر کو قتل کر کے جنگ کی آگ بھڑکائی تھی۔ اگرچہ وہ کم تھے اور بہت ہی کم تھے۔ لیکن انھیں خدا پر بھروسہ تھا۔ اور اس

بھروسہ کی وجہ سے کامل یقین تھا کہ فتح یاب وہی ہوں گے۔

اس وقت دو پہر ٹھٹھکنے لگی تھی۔ اور دھوپ کی گرمی کم ہونے لگی تھی۔ لیکن جنگ کی حرارت بڑھتی جاتی تھی۔ اور بہادر سپاہی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

انسانی اعضا، بڑی بے قدری اور تیزی سے کٹ کٹ کر اچھل اچھل کر گر رہے تھے۔ ہاتھوں، پیروں، سروں اور دھڑوں کے جگہ ڈھیر لگ گئے تھے۔ اور لگتے چلے جا رہے تھے۔

موت ایسی تیزی سے اپنی کیفیت کاٹ رہی تھی کہ کسی کی زندگی بھی محفوظ نظر نہ آتی تھی۔ جو شخص اچھا خاصا لڑتا تھا۔ چند ہی لمحوں میں زمین پر مردہ جا پڑتا تھا۔

اگرچہ میدان ریگزار تھا۔ ہر طرف ریت کا دریا لہریں لیتا نظر آتا تھا معمولی پانی اور تھوڑا سا خون نوریت میں جذب ہو کر رہ جاتا تھا۔ لیکن کچھ اس کثرت سے خون گرا تھا۔ کہ ریت میں جذب ہونے کے بعد بہنے لگا تھا۔

مسلمانوں نے اس قدر خون ریزی کی تھی کہ خون پڑ پڑ کر ان کے کپڑوں، ہاتھوں اور ہتھیاروں پر جم گیا تھا۔

اگرچہ شہید مسلمان بھی ہو رہے تھے۔ لیکن اس کمی کے ساتھ کہ شہید ہوتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

جو کوئی مسلمان شہید ہوتا تھا۔ وہ کم سے کم دس بارہ آدمیوں کو مار کر مرنے لگا تھا۔ اور بے چارے رونی کچھ اس تیزی سے مر رہے تھے۔ جیسے وہ مرنے ہی کے لئے

میدان جنگ میں آئے تھے۔ اور جس غرض سے آئے تھے اسے پوری کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی پندرہ صفیں توڑ دی تھیں اور ان صفوں میں گھس کر لڑ رہے تھے۔

ابھی مسلمانوں کی ایسی صفیں بھی باقی تھیں جو پیچھے کھڑی تھیں اور ان کے سواروں کو لڑنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

وہ دعائیں مانگ رہے تھے کہ اگلے آگے بڑھ کر ان کے لئے جگہ صاف کریں اور وہ بھی جہاد میں شریک ہو کر دلوں کے حوصلے نکالیں۔

لیکن جوں جوں وار ختم ہوتا جاتا تھا۔ ان کی امیدیں اٹھتی جاتی تھیں اور یہ خیال ہوتا

سترھواں باب

بہادر افسر

جس وقت کلوس کو ہوش آیا تو صبح کے اٹھارہ گھنٹے تھے۔ اب تک وہ اسی جگہ پڑا ہوا تھا جہاں بے ہوش ہو کر گرا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھا اور دونوں افسروں کے پاس پہنچا۔ افسروں کی حالت بھی فزوفوف و دہشت سے متغیر ہو گئی تھی۔ انہیں بھی ساری رات نیند نہ آئی تھی۔ اٹے پڑے کانپ رہے تھے۔

جب کلوس نے جاکر ایک افسر کو آواز دی تو وہ اچھلی پڑا۔ اور اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول کر دیکھا اور دیکھتا رہا جب اچھی طرح پہچان لیا تو اٹھ کر بیٹھنے ہوئے بولا "حضور کیا بات ہے؟" دوسرا افسر بھی جاگ رہا تھا۔ وہ بھی آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے بھی کہا "کیا صبح ہو گئی حضور؟"

کلوس نے کہا: "ہاں میرے خیال میں صبح ہو گئی ہے"

پہلا افسر: تو کیا ابھی چلنے کا ارادہ ہے؟

کلوس: افسوس ہم کہاں جاسکتے ہیں۔

دوسرا افسر: کیوں کیا بات ہے؟

کلوس: جس کیلئے ہم تھے اس قدر محنت کی۔ مصیبت اٹھائی وہ اٹھوں سے جاتی رہی۔

پہلا افسر: کیا وہ بھاگ گئی ہے؟

جاتا تھا کہ شاید آج ان کے حملہ کرنے کی نوبت نہ آئے۔

اس خیال سے انہیں بڑی تکلیف ہو رہی تھی وہ چاہتے تھے کہ دن لمبا ہو جائے تاکہ انہیں بھی لڑنے کا وقت مل سکے۔ بعض بے چارے تو دعا مانگ رہے تھے کہ دن اتنا کھینچ جائے کہ ان کا لڑنے کا بھی غبر آجائے۔

اور بعض ایسے بھی تھے جو افسوس کر رہے تھے کہ وہ پھیلی صفوں میں کیوں کھڑے ہوئے اگلی صفوں میں کیوں نہ ہوئے۔

وہ دیکھ رہے تھے نظر میں اٹھا اٹھا کر کہ جنگ ہو رہی تھی نہایت زور و شور کے ساتھ مگر ان سے فاصلہ پر۔

دن ایسی تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے آفتاب خوریزی سے ڈر گیا ہو۔ اور خون آشام منظر سے بچنے کے لئے جگہ مغرب کی طرف بھٹتا جاتا تھا۔ وہ کبھی میدان جنگ کی طرف دیکھنے لگتے تھے یہ دیکھنے کے لئے کہ ان سے کس قدر فاصلہ پر جنگ کی آگ آگئی ہے اور کبھی سورج کی طرف دیکھنے لگتے تھے کہ وہ کتنا مغرب کی طرف بھک گیا ہے۔ ابھی وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ تلواریں اٹھنی اور بھکنی بند ہو گئیں۔ انہیں تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی اس وقت ضرور وقت ہو گیا تھا۔ اگرچہ ابھی تک جنگ بدستور جاری تھی لیکن دریاں نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیدیا۔ واپسی کا طبل بجا۔ مسلمانوں نے سنا۔ انہوں نے بھی تلواریں بیک لیں اور پیچھے ہٹنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں عیسائی اپنے کیمپ اور مسلمان اپنے لشکر گاہ کی طرف ہٹ گئے۔

رومی چلے گئے اور مسلمان اپنے کپڑے، ہتھیار اور بدن بھٹکتے ہوئے واپس لوٹے۔

اگرچہ آج جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ لیکن مسلمان صرف تیس شہید ہوئے اور رومی تیس ہزار مارے گئے جن میں بارہ ان کے بادشاہ تھے۔

دونوں لشکر اپنے اپنے کیمپ میں پیچ کر زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ مسلمانوں نے کپڑے دھوئے، غسل کیا اور پھر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

سلاہ تاریخ میں ان تیسوں آدمیوں کے نام بھی ہیں۔ لیکن ہم نے طوالت کے خوف سے نام نہیں لکھے صرف مسلمان شہیدوں اور رومی مردوں کی تعداد لکھ دی ہے۔ (صادق حسین صدیقی)

کلوں : نہیں بلکہ پراسرار طریقہ پر غائب کر دی گئی ہے۔

دوسرا افسر : کس نے غائب کیا ہے اسے؟

کلوں : یہ مسیح (حضرت عیسیٰ) کو خبر ہے۔

پہلا افسر : کہیں اس میں ارسوس کی توجہ جال نہیں ہے۔

کلوں : نہیں

دوسرا افسر : اور کس نے یہ جرأت کی ہے؟

کلوں : ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔

پہلا افسر : کیا؟

کلوں : تم شاید اس کا یقین نہ کر دو گے۔

دوسرا افسر : کیوں یقین نہ کریں گے۔

کلوں : ایسی ہی بات ہو گئی ہے۔

پہلا افسر : لیکن بتائیے تو سہی۔

کلوں : میں سو رہا تھا کہ چیخ کی آواز سن کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو ایک سیاہ پوش عربی رشتہ

کو اٹھائے لے جا رہا ہے۔ میں فوراً اٹھ کر اسے چھڑانے کے لئے دوڑا۔ اس نے شاید میرے پیروں

کی آواز سن لی اور پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

دوسرا افسر : وہ شاید آپ کو دیکھ کر سہم گیا ہوگا؟

کلوں : نہیں میں ہی اسے دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔

پہلا افسر : آپ بے ہوش ہو گئے۔ واہ آپ نے مجھے کیوں نہ اٹھایا۔

دوسرا افسر : بڑی غلطی کی آپ نے۔ اگر مجھے اٹھائیتے تو میں اسے پکڑ کر مار ڈالتا۔

کلوں : میں تو اس ہی میں کب رہا۔

پہلا افسر : افسوس آخر تھا کون وہ سیاہ پوش؟

کلوں : وہ کوئی جن تھا یا بھوت اور یا کوئی جانور تھا۔ جس وقت اس نے اپنی شکلہ بار

آنکھوں سے دیکھا میں فوراً ہی دہشت سے بیہوش ہو گیا۔

دوسرا افسر : بڑا غضب ہو گیا۔

کلوں : آہ اب میں بغیر اس عربی نازنین کے کیسے زندہ رہوں گا۔

پہلا افسر : مگر ہمیں اسے تلاش کرنا چاہیے۔

کلوں : ضرور تلاش کروں گا۔

اس وقت ارسوس کمرہ میں داخل ہوا۔ وہ سفری لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے آتے ہی

کہا : ”صبح بخیر“

کلوں نے کہا : ”آہ بخیر کہاں ہے؟“

ارسوس : کیوں کیا بات ہو گئی ہے؟

کلوں : تم نے رات اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ جو ہمارے ساتھ آئی تھی۔

ارسوس : ہاں دیکھا ہے نہایت حسین ہے۔ میں اسے بہت پسند کرتا ہوں اس وقت

کہاں ہے وہ؟

کلوں : کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔

ارسوس کے چہرے سے فکر و غم کی غلامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس نے کہا : ”کوئی نہیں جانتا۔ کیا

مطلب ہے آپ کا؟“

کلوں نے رات کا تمام واقعہ اسے سنایا۔ ارسوس نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا : میں نے

پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ اس منوس کمرہ میں نہ ٹھہریے لیکن آپ نے نہ مانا۔“

کلوں : لیکن میں کئی مرتبہ پہلے بھی اس کمرہ میں ٹھہر چکا تھا۔

ارسوس : جیسا واقعہ آپ نے اس وقت بیان کیا ہے۔ بالکل ایسا ہی آج سے پندرہ سال

پہلے میرے والد مرحوم کے زمانہ میں بھی گزر چکا ہے۔

سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کلوں نے دریافت کیا : ”وہ کیا واقعہ تھا؟“

ارسوس : میرے والد کے ایک دوست مرقس تھے۔ (اظہار کیے کے رہنے والے تھے۔

وہ اکثر یہاں ٹھہر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنی لڑکی بھی ساتھ لائے تھے۔ نہایت خوبصورت لڑکی

تھی۔ باپ اور بیٹی دونوں اس کمرہ میں ٹھہرے تھے۔ رات کو دونوں سو رہے تھے۔ کہ باپ کی

ارسووس : فرمائیے کیا حکم ہے ؟

کلوص : اگر اس کا سراغ مل جائے.....

ارسووس : ناممکن ہے۔

کلوص : بے شک ناممکن ہے۔ لیکن اکثر حالتوں میں ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

ارسووس : میں سمجھ گیا۔ اگر وہ مل جائے تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔

کلوص : ہاں میری یہی منشاء ہے۔

ارسووس : اطمینان رکھئے۔ پتہ ملتے ہی آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ بلکہ اسے لے

کر ہی آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔

کلوص : اگر ایسی مہربانی کر دے تو عمر بھر مشکور رہوں گا۔

ارسووس : ایسی بات نہ کہیئے میں آپ کا خادم ہوں۔

کلوص : انہیں تم میرے دوست ہو۔

ارسووس : تو آپ کب تشریف لے جائیں گے۔

کلوص : کیا آپ کی غیبت میں میں یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔

ارسووس : بڑے متوق سے۔

کلوص : تو میں ایک دو روز ٹھہرنا چاہتا ہوں۔

ارسووس : ضرور ٹھہریئے۔ لیکن آپ اس کمرہ کو چھوڑ دیں۔

پہلا افسر : نہیں صاحب۔ ہم اس کمرہ کو نہیں چھوڑ سکتے ہم کوئی ڈر گئے ہیں۔

ارسووس : میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ڈر گئے ہیں۔ بلکہ میں اس کمرہ کو سنو سنو سمجھنا ہوں۔

کلوص : آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ میں دوسرے کمرہ میں ٹھہروں گا۔

ارسووس : آپ کو اختیار ہے جس کمرہ میں چاہیئے ٹھہریئے۔ چونکہ مجھے عجلت ہے اس

لئے میں اجازت چاہتا ہوں۔

کلوص : ہاں تم جاؤ۔

ارسووس چلا گیا۔ ایک افسر نے کہا ”مجھے کچھ شک ہے“

کھل۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ پوش ان کی پیاری بیٹی کو اٹھائے لئے جا رہا ہے۔ وہ تڑپ کر اٹھے۔ اور اس کے پیچھے دوڑے۔ اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں انکارہ کی طرح چمک رہی تھیں۔ اور ریکچ کا سا چہرہ تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ صبح کو ہوش آیا انہوں نے والد کو قصہ سنایا۔ والد کو بڑا افسوس ہوا۔ دونوں نے اس لڑکی کو ہر چند تلاش کیا۔ لیکن پتہ نہ چلا۔ آخر مرتس اس کے تم نہیں پاگل ہو گئے اور چند روز پاگل رہ کر مر گئے۔ قصہ والوں کو یہ بات معلوم ہے۔

کلوص : بالکل ایسی ہی شکل کا وہ شخص تھا۔ جسے میں نے رات دیکھا تھا۔ ریکچ کی صورت تمہیں آنکھیں دہک رہی تھیں۔ آہ! کیا اب وہ عربی دوشیزہ نہ ملے گی؟

ارسووس : میرے خیال میں نہیں۔ وہ کوئی بلا ہے یا جن ہے اور حسین لڑکیوں کو

اٹھا کر لے جاتا ہے۔

کلوص : آہ! میں کم بخت کیوں یہاں آیا تھا۔

ارسووس : میری پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگنا تھا لگ گیا۔

پہلا افسر : بالکل اسی طرح جس طرح تمہارے والد کے لگا تھا۔

ارسووس : جی ہاں بالکل اسی طرح اب میں اس کمرہ ہی کو منہدم کر دوں گا۔

کلوص : اور تم کہاں جا رہے ہو؟

ارسووس : میری بیوی دمشق میں ہے۔ رات آدھی کر رہی ہے کہ اچانک بیمار ہو گئی ہے۔

میں وہاں جا رہا ہوں۔ کیا آپ بھی چلیں گے؟

کلوص : نہیں میں حصص جاؤں گا۔

ارسووس : مگر وہ لڑکی؟

کلوص : اب تو وہ ملنے سے رہی۔

ارسووس : میرے خیال میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ جب وہ پہلی ہی لڑکی اتنی مدت گزر

جانے پر بھی نہیں ملی تو یہ کیا ملے گی۔

کلوص : بس تو میں بھی حصص چلا جاؤں گا۔.....

اٹھارھواں باب

مشورہ فریب

جب دروان مع لشکر کے کیمپ میں واپس گیا تو سخت غمگین اور آزرده تھا اس کے سامنے بارہ اولوالعزم بادشاہ اور تین ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ اور مسلمان اس قدر کم شہید ہوئے تھے کہ اس نے اپنی آنکھ سے ایک بھی مرتے نہیں دیکھا تھا۔

سے رنج تھا، افسوس تھا، اندامت تھی۔ واپس جا کر اس نے کھانا بھی نہیں کھایا اور ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح کے وقت آنکھ لگی اور سو گیا۔

جب اٹھا تو آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر اس نے تمام سرداروں اور بچے کھچے بادشاہوں کو بلایا۔

جب سب آگئے تو اس نے کہا: "میں قدر افسوسناک بات ہے کہ کل مسلمانوں نے ہمارے بارہ بادشاہ اور قریب قریب تین ہزار سپاہی مار ڈالے اور ہم ان کا ایک سردار بھی نہ مار سکے۔ یہ مسلمان وہی عرب ہیں جو اب سے چند روز پہلے آپس ہی میں لڑ لڑ کر کتے مرتے رہتے تھے۔ دنیا میں سب سے ناکارہ اور پس ماندہ قوم تھی۔ جسے ہم جب پاس تھے دبا لیتے تھے۔ لیکن اب مسلمان ہو کر وہی قوم اس قدر طاقتور ہو گئی ہے کہ اس نے ہمیں دبا دیا، ہمارے ملک چھینا، ہماری عورتوں کو اپنی بیویاں اور ہمارے بچوں کو اپنا غلام بنانا شروع کر دیا۔ وہ نہ ہماری طاقت سے گھبراتے ہیں۔ نہ کثرت سے خوف کھاتے

کلوں : کیسا شک ؟

وہی افسر : شاید اس کو س نے ہیں فریب دیا ہے ۔

کلوں : نہیں وہ ایسا آدمی نہیں ہے ۔

وہی افسر : مگر ہمیں چھپ کر اس کا پیچھا کرنا چاہیئے ۔

دوسرا افسر : میں بھی کچھ اس سے مشکوک ہوں ۔

کلوں : اگر یہ بات ہے تو چلو اس کا پیچھا کریں ۔

پہلا افسر : ہاں تیار ہو جائیئے ۔

تینوں نے جلد جلد کپڑے پہنے ۔ کمرے : ہر نکلے ۔ گھوڑے منگائے اور سوار ہو کر

چل پڑے ۔

ہیں۔ نہ ڈراٹے سے ڈرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہر قتل عظیم مقتول سفیر کا خون بہا ادا کرے اور معافی مانگے، کیا یہ بات ذلت کی نہیں ہے۔ وہ عظیم الشان اور باہیت و جلال بادشاہ جس کی دھاک ساری دنیا پر بیٹھی ہوئی ہے۔ بھوکے ننگے عربوں سے دب کر معافی مانگے، کیا ہمیں اس ذلت کو برداشت کرتے کے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔ ہمیں کٹ مرنے چاہیئے بادشاہ کی حرمت پر، وطن کی محبت پر لیکن افسوس ہے ہم بزدلی کرتے ہیں۔ لڑائی میں ہم کامیاب نہیں ہوئے کوئی تدبیر ہماری نہیں چلتی۔ پھر تناؤ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

سب لوگ نہایت غور سے سن رہے تھے۔ سب کے سر زحمت سے جھکے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے کہا: میں نے عربوں کا طریقہ جنگ دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگایا ہے کہ ہم ان پر بھی فتیاب نہیں ہو سکتے۔“

وردان نے طیش بھرے لہجہ میں کہا: ”تب ان کے سامنے ہتھیار ڈال کر گرفتار ہو جائیں۔“ وہی شخص: نہیں میں اس ذلت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

وردان: پھر کیا کرنا چاہیئے ہمیں؟ وہی شخص: کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔

وردان: وہی تو دریافت کرتا ہوں کہ تدبیر کیا ہو؟

وہی شخص: اس وقت سب اہل الرائے موجود ہیں۔ سب ہی مشورہ دیں۔

وردان: ٹھیک ہے سب ہی کو مشورہ دینا چاہیئے۔

ایک شخص: میرے خیال میں عارضی صلح کو لینی چاہیئے۔

وردان: کیا فائدہ ہوگا اس سے؟

پہلا شخص: عارضی صلح کرنے سے مسلمان غافل ہو جائیں گے اور ہم موقع کی تلاش میں رہیں گے

وردان: کس تاک میں رہیں گے ہم؟

پہلا شخص: شہنشاہ مارنے کی۔

دوسرا شخص: یہ ناممکن ہے میں نے دیکھا اور سنا ہے کہ مسلمان ساری ساری رات اپنے لشکر کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

پہلا: وہ اس وقت تک حالات کرتے رہتے ہیں۔ جب تک جنگ جاری رہتی ہے۔

دوسرا: جنگ ہو یا نہ ہو یہ برابر حفاظت کرتے اور ساری رات جاگتے رہتے ہیں۔

پہلا: کیا اس ذلت بھی جب کہ ان کے سامنے کوئی غنیمت کا لشکر نہ ہو؟

دوسرا: میں نے یہی سنا ہے کہ اس وقت بھی ایک دستہ حفاظت پر مامور رہتا ہے۔

تیسرا: میں نے بھی یہی سنا ہے۔

وردان: یہ بات مسلمانوں کی عقلمندی سے بعید ہے کہ وہ عارضی صلح کر کے ایسے غافل ہو جائیں

کہ لشکر کی حفاظت بھی نہ کریں۔

دوسرا: یہی بات ہے یہ ناممکن ہے کہ ان کے سامنے ہمارا عظیم الشان لشکر ہر اور وہ اپنے لشکر کی حفاظت نہ کریں۔

تیسرا: اور اول تو وہ عارضی صلح پر رضامند ہی نہ ہوں گے۔

وردان: یہ بھی سچ ہے۔

چوتھا: میرے خیال سے ہمیں آج جنگ ملتوی کر دینی چاہیئے۔ اور کل رات کو کچھ لشکر ٹیوں

کے پیچھے چھپا کر صبح ہوتے ہی باقی لشکر میدان میں صف بستہ کر دیں اور کچھ دیر لڑ کر اس طرح پیچھے ہٹیں گویا

شکست کھا کر بھاگے جا رہے ہیں۔ یقین ہے مسلمان فتح کی خوشی میں ہمارے پیچھے لگ چلے آئیں گے۔

جب وہ ٹیوں سے آگے نکل آئیں۔ تب ہمارا لشکر کہیں گاہ سے نکل کر ان پر حملہ کر دے۔ اور ہم سنبھل

کر ان پر لڑ پڑیں۔ اس طرح وہ دو پارٹیوں کے بیچ میں آ جائیں گے۔ اور پھر ممکن ہے ہم ان سب

کو قتل کر ڈالیں۔

وردان: تمہاری تدبیر معقول معلوم ہوئی ہے۔ لیکن کوئی اور صاحب اس سے اچھی تدبیر بتا سکتے

ہوں تو بتائیں۔

پانچواں: میں ایک اور بات عرض کرتا ہوں۔

وردان: کیا؟

وہی: مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہادران کا وہ سردار ہے جو سیف اللہ کے نام سے

مشہور ہے اور جس کا نام خالد ہے۔ شاید حضور نے بھی سنا ہوگا۔

وردان : ہاں میں نے سنا ہے۔

وہی : اگر ہم کسی طرح اسے قابو میں کر لیں تو ممکن ہے کہ مسلمان گھبرا کر بھاگ جائیں۔

وردان : تمہاری یہ رائے بہت مناسب ہے لیکن اسے کس طرح قابو میں کیا جائے؟

چھٹا : نہایت آسان تدبیر ہے حضور۔

وردان : کیا؟

چھٹا : آپ اس کے پاس پیغام بھیجیں کہ ہم مصالحت کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور تمہارا سردار کے

وردان : اچھا اگر اس نے منظر کر لیا تو

چھٹا : کل کا دن ملاقات کے لئے تجویز کیا جائے۔

وردان : پھر کیا ہو؟

چھٹا : رات کے وقت دس آدمیوں کو کسی ٹیلہ کے نیچے چھپا دیا جائے اور جب اسلامی

سردار آجائے تو آپ زور زور سے باتیں کرنے لگیں۔ آپ کی باتوں کی آواز سنتے ہی ہمارے پیچھے ہونے

آدمی نکل کر درمیان اور اسے گرفتار کر لیں۔

وردان : میرے خیال میں یہ تدبیر سب تدبیروں سے اچھی اور قابل عمل ہے۔

پہلا : حقیقت میں نہایت مناسب تدبیر ہے۔

وردان : اس طرح ہم ضرور ان کے سردار کو گرفتار کر لیں گے۔

دوسرا : ہمیں لشکر کو بھی تیار رکھنا چاہیے تاکہ جس وقت سردار ہمارے قابو میں آجائے

ہم فوراً حملہ کر دیں۔ اس طرح مسلمان گھبرا کر بھاگ جائیں گے۔

وردان : نے خوش ہوتے ہوتے کہا : یقیناً بھاگ جائیں گے۔ اب یہ تجویز کوڈ کہ کس

شخص کو پیغام کے کرسلمانوں کے پاس بھیجا جائے؟

دوسرا : کسی نہایت ہوشیار اور چالاک آدمی کو بھیجئے۔

تیسرا : میرے خیال میں اس کام کو داؤد احسن طریقہ سے انجام دے سکتا ہے۔

چوتھا : بے شک وہ نہایت چالاک، پختہ کار اور ہوشیار ہے۔

پہلا : اور عربی زبان بھی خوب جانتا ہے۔

وردان : اچھا اسے بلاؤ

ایک آدمی اٹھ کر داؤد کو بلائے چلا گیا۔ وردان نے کہا : ”آج یہ ایسی تدبیر ذہن میں آئی ہے کہ

اس میں ناکامی کا اندیشہ ہی نہیں ہے۔“

دوسرا : یہی بات ہے حضور! جہاں سردار ہمارے قابو میں آیا اور ہم نے فتح پائی۔

وردان : میں تو ابھی سے کامیابی کے خواب دیکھنے لگا ہوں۔

تیسرا : شرط یہ کامیابی ہے۔

چوتھا : جس وقت خالدؓ ہماری قید میں آجائے گا۔ بہت زحمت ہوگا۔

وردان : اور سارے مسلمان گھبرا کر فرار ہو جائیں گے۔

پانچواں : یقیناً بغیر سردار کے فوج نہیں ٹٹا کرتی۔

اب وہ شخص جو داؤد کو بلائے گیا تھا۔ اسے لے کر حاضر ہوا۔

داؤد وردان کو سلام کرنے کے لئے زمین پر اذدھامیٹ گیا۔ اور اس طرح سلام کر کے کھڑا ہوا

وردان نے کہا ”بیٹھ جاؤ داؤد۔“

وہ بیٹھ گیا۔ اس نے کہا : ”کس لئے یاد فرمایا ہے مجھے حضور نے؟“

وردان : چونکہ تم نہایت ہوشیار اور سمجھ دار اور عربی زبان میں کامل مہارت رکھتے ہو اس لئے

ہم تمہیں پیغامبر کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔

داؤد : میں اس خدمت کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔

وردان : جو پیغام تمہارے ذریعہ سے بھیجا جائیگا۔ تمہیں نہایت ہوشیاری سے ادا کرنا چاہیئے۔

داؤد : میں ایسا ہی کر دوں گا۔

وردان : تم ان کے سردار سے کہو کہ ہم صلح کرنا چاہتے ہیں۔

داؤد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا : ”صلح کرنا چاہتے ہیں آپ؟“

وردان : ہاں

داؤد : کن شرائط پر

وردان : جو شرائط وہ پیش کریں۔

انیسواں باب

قاصد کی صاف گوئی

مسلمانوں نے میدان جنگ سے واپسی لوٹ کر کپڑے دھوئے، غسل کیا، نماز پڑھی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور بچہ کھانا تیار کرنے لگے۔

کھانا کھا کر کچھ سو رہے، کچھ لشکر کی حفاظت پر مامور ہوئے اور کچھ جو شب زندہ دار تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت کرنے اور نماز پڑھنے لگے۔

ابن سعید کا آرام، چین اور سکون سب جاتے رہے تھے۔ وہ ہر وقت بے چین، مضطرب اور پریشان خاطر رہتے تھے۔ چونکہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے اس لئے ضبط و صبر کئے پردہ عینب سے کشوکار کے منتظر تھے۔

مرئیس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس کے آنے کا بھی انتظار تھا۔ اس کا بھائی لشکر میں موجود تھا۔ صحن اتنی نگرانی کی جاتی تھی کہ کہیں لشکر سے باہر نہ چلا جائے۔

وہ خود مسلمان کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہتا تھا۔ کچھ ان سے انسیت ہو گئی تھی۔ ان کے اخلاق، ان کی مذہب پرستی اور نیکی نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔

وہ اکثر ابن سعید کے پاس آکر انہیں تسلی دیا کرتا تھا۔ اس نے کہہ دیا تھا۔ اس کا بھائی نہایت ہوشیار اور چالاک ہے۔ وہ یقیناً عربی دوشیزہ کو رہا کر لائے گا۔

ابن سعید بھی رات بھر جاگتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے آدھی رات کے بعد ذرا سی دیر کے لئے سویلتے اور پھر اٹھ کر تہجد کی نماز شروع کر دیتے۔

داؤد: لیکن شہنشاہ معظم ہر قل اعظم سے اجازت لئے بغیر آپ کیسے صلح کر سکتے ہیں؟
وردان: صلح کرنا تو ہم بھی نہیں چاہتے۔

داؤد: اور؟

وردان: مسلمان کو فریب دینا منظور ہے۔

داؤد: کیا فریب دینا چاہتے ہیں آپ؟

وردان: تم ان کے سردار سے کہو کہ ہمارا بادشاہ اس سے تنہائی میں اس اونچے ٹیلہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

وردان نے ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا۔ داؤد نے ٹیلہ دیکھ لیا۔ اس نے کہا۔ گویا وہ تنہا آپ سے ملاقات کرنے کیلئے آئے؟

وردان: ہاں

داؤد: اور آپ بھی تنہا ہوں گے؟

وردان: نہیں ہم آج رات کو دس آدمی ٹیلہ کے نیچے چھپا دیں گے اور وہ میرا اشارہ ہوتے ہی نکل کر اسے گرفتار کر لیں گے۔
داؤد: مگر حضور! مسلمان اس غضب کے لوگ ہیں کہ کوئی بھی فریب اور چالاک چلنے نہیں دیتے۔

وردان: اطمینان رکھو ہماری یہ تدبیر سوٹ نہ پڑے گی۔

داؤد: لیکن یہ بادشاہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو فریب دے۔

وردان نے خفا ہو کر کہا: ”تمہیں شورہ دیتے کیلئے نہیں بلایا گیا ہے۔ جو تم سے کہا جاتا ہے کہ ”داؤد کو اس کی بات نہایت ناگوار گزری۔ لیکن وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے کہا: ”بہتر ہے

میں تعمیل حکم کیلئے جا رہا ہوں۔“

وردان: ہاں جاؤ اور کل کا دن ملاقات کے لئے تجویز کر آؤ۔

داؤد: اور وقت

وردان: صبح سویرے نکلتے ہی

داؤد: بہتر ہے۔

وہ اٹا سلام کیا اور خیمہ سے باہر نکل گیا۔

صبح کے وقت اذان ہوئی سب نے نماز پڑھی اور انتظار کرنے لگے کہ کب رومی لشکر میدان جنگ میں نکلیں اور کب وہ بھی چلیں۔

آفتاب نکل آیا بلکہ بہت اونچا بھی ہو گیا۔ لیکن رومیوں کے لشکر نے کسی قسم کی حرکت نہیں کی۔ خالدؓ نے کہا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آج رومیوں کا ارادہ لڑنے کا نہیں ہے۔
ابن سعیدؓ نے کہا: ”ایسا ہی خیال ہوتا ہے۔“
مزارؓ: اگلے ان کے بہت سے ذمی مرتبہ لوگ مارے گئے ہیں۔ وہ ان کا افسوس کر رہے ہوں گے۔

خالدؓ نے ہنس کر کہا: ”ہو سکتا ہے۔ وہ غم میں مبتلا ہوں۔“

مزارؓ: تو کیوں نہ ہم آج ہتھیاروں پر صیقل کر لیں۔

خالدؓ: ابھی ممکن نہیں ہے وہ رات گئے سوئے ہوں اور دیر میں اٹھے ہوں گے یا درآن ابھی سو رہا ہو۔ اور اس کے اٹھنے پر وہ تیار ہو کر نکلیں۔

ابن سعیدؓ: میرے خیال میں ان کا ارادہ آج لڑنے کا ہے ہی نہیں

خالدؓ: پھر بھی ہمیں اور انتظار کرنا چاہیئے۔

مزارؓ: بہتر ہے انتظار کر لیجئے۔

ابھی ان لوگوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے بہت دور ریت کے جگے اڑتے ہوئے نظر آئے۔ ابن سعیدؓ نے دیکھ کر کہا: دیکھئے سامنے غبار اڑنے لگا ہے۔ شاید کوئی قاصد آ رہا ہے۔

خالدؓ نے دیکھ کر کہا: ”میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔“

مزارؓ: چلے کیسپ سے نکل کر دیکھیں کون ہے؟

خالدؓ: چلو

یہ تینوں پیادہ پا ہی چلے اور کیسپ سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے۔ اب غبار کا دامن چاک ہو گیا تھا۔ ایک عیسائی سوار گھوڑا دوڑاتے چلا آ رہا تھا۔

جب وہ قریب آیا تو خالدؓ نے کہا: ”یقیناً یہ قاصد ہے۔ شاید آج اتواء جنگ کی

کی درخواست لے کر آیا ہے۔

ابن سعیدؓ: بہت ممکن ہے۔ کیونکہ رومیوں کے کئی بادشاہ کل مارے گئے ہیں۔ اور ان کی لاشیں اب تک میدان جنگ میں پڑی ہیں۔ شاید وہ لاشوں کو اکٹھا نا چاہتے ہوں۔
مزارؓ: یہی بات میری سمجھ میں آئی ہے۔

اب سوار بالکل قریب آ گیا تھا۔ وہ داؤدؓ کا تھا اس نے گھوڑے کی رفتار کم کی اور ان تینوں کے پاس آ کر کہا: ”میں آپ کے سردار سے ملنا چاہتا ہوں۔“

ابن سعیدؓ نے خالدؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”ہمارے سپہ سالار آپ ہیں۔“

داؤدؓ نے حیرت بھری نظروں سے خالدؓ کی طرف سے دیکھتے ہوئے کہا: ”آپ ہیں۔۔۔“

..... کیا آپ کا ہی نام خالدؓ ہے؟“

ابن سعیدؓ: جی ہاں

داؤدؓ گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا: ”تعجب ہے ایسا مشہور اور جلیل القدر انسان اور

ایسی سادی وضع ہیں۔“

رومیوں کا معمولی سے معمولی سردار بھی پریشی لباس اور سونے کے زیورات پہنتا تھا

نہایت شان سے رہتا تھا۔ اور مسلمانوں کا بڑے سے بڑا سردار بھی نہایت معمولی اور سادے کپڑے پہنتا تھا۔ عام مسلمانوں کی طرح رہتا تھا۔ اس لئے رومیوں کو ان کی سادگی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمانوں کی سادہ پوشاک کا غلغلہ تھا۔ ان کا قومی لباس بالکل سفید

اور معمولی ہوتا تھا۔ دنیا اسی لباس اور لباس والوں کی عزت کہتی تھی۔

ایک موجودہ زمانہ ہے کہ ایک مسلمان اچھے سے اچھا، بڑھیا سے بڑھیا اور عجیب عجیب

تراش کا لباس پہنتے ہیں اور پھر ان کی عزت نہیں۔ پھر ان کی کوئی بات نہیں پوچھتا۔

بات یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں نے اسلام کی ساری باتیں چھوڑ دی ہیں۔ وہاں سادہ لباس

کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ قومی لباس کوئی رہا ہی نہیں۔ کوٹ پتلون ہیٹ، نیکر، دھوٹی اور اسی

قسم کا لباس پہنتے ہیں جو غیر قوموں کا ہے چونکہ انھوں نے اپنا کوئی لباس نہیں رکھا۔ اس لئے

جن قوموں کا لباس پہنتے ہیں وہ انھیں نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتی اور انھیں ملت فروکش سمجھتی ہیں۔

مگر مسلمان ایسا سادہ لوح ہے کہ پھر بھی دوسروں ہی کا لباس پہنتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے، اتراتا ہے، گویا لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔
کاش مسلمان سمجھتے کہ جسے وہ عزت سمجھتے ہیں، عزت نہیں ذلت ہے۔ عزت اپنے ہی سادہ لباس میں ہے۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے علماء تک بگڑ گئے ہیں۔ نہایت بھڑک دار اچکنیں نہایت چکدار علمائے اور نہایت قیمتی قمیضیں اور پاجامے پہنتے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ ہم جن کی امت ہیں انھوں نے کب بھڑک دار کپڑا پہنا، جب انھوں نے ہی نہیں پہنا تو ہم کیوں پہنیں۔

رسول اکرمؐ خود دونوں جہاں کے سردار ہمارے لڑی تھے۔ جن کے لئے دنیا بنی، عقبیٰ میں عزت ملی، کبھی اچھا لباس نہ پہنیں اور ہم عام مسلمان ہی نہیں بلکہ ہمارے علماء بہترین لباس استعمال کرتے ہیں۔

پھر قوم کیسے ہدایت حاصل کرے۔ خدا ہمارے علماء کو بھی عقل دے اور وہ نمونہ بنیں اسلام کا، اسلام کے بانی کا۔ آئین ثم آئین۔

جب داؤد گھوڑے سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا تو خالدؓ نے کہا۔ لباس محقق ستر پوشی کیلئے ہے نہ کہ اعزاز کے لئے۔

داؤد۔ درست فرمایا آپ نے۔

خالدؓ : کہیے آپ کون ہیں اور کس لئے آئے ہیں؟

داؤد : میں قاصد ہوں اور پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔

خالدؓ : کس کے قاصد ہو؟

داؤد : اپنے بادشاہ وردان کا۔

خالدؓ : کیا پیغام لائے ہو؟

داؤد : وہی جو ایک سرتیہ پہلے بھی ایک شخص لایا تھا۔

خالدؓ : مفصل طور پر کہو۔

داؤد : پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارا بادشاہ چاہتا ہے کہ آج جنگ ملتوی کر دی جائے تاکہ لاشوں کو اٹھا کر ٹھکانے لگا دیا جائے۔

خالدؓ : یہ بات مناسب ہے اور ہمیں منظور ہے۔

داؤد : دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ نہایت نیک اور رحم دل واقع ہوا ہے وہ نہیں چاہتا کہ خونریزی ہو۔

خالدؓ : تمہوں سریری کو ہم بھی پسند نہیں کرتے۔

داؤد : جب یہ بات ہے تو اغلب ہے کہ صلح ہو جائے۔

خالدؓ : یہ بات تمہارے بادشاہ وردان کے اوپر معطر ہے۔

داؤد : وہ تو بالکل صلح کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

خالدؓ : ہم بھی تیار ہیں لیکن.....

داؤد : لیکن کیا؟

خالدؓ : صلح ان شرائط میں سے کسی ایک پر ہو سکتی ہے جو میں نے پہلے قاصد سے بیان کر دی تھیں۔

داؤد : اور وہ شرائط کیا ہیں؟

خالدؓ : چار شرائط ہیں۔ پہلی تو یہ کہ وہ سفیر کا خون بہا ادا کرے اور ہر قتل اعظم معافی مانگے۔

یہ نہ ہو تو تمام عیسائی مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جائیں۔ یہ بھی نہ ہو تو ہماری اطاعت قبول کر لیں اور جزیہ دیں۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو لڑیں۔

داؤد : اسی لئے وردان آپ سے مل کر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

خالدؓ : میں تیار ہوں

داؤد : انھوں نے کل صبح کا وقت ملاقات کے لئے مقرر کیا ہے۔

خالدؓ : اور جگہ کون سی تجویز کی ہے۔

داؤد : وہ جو سامنے اونچا ریت کا ٹیلہ ہے۔ غالباً وہ ٹیلہ دونوں کے عین درمیان

میں واقع ہوا ہے۔

خالدؓ : ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مجھے منظور ہے۔ کتنے آدمی درد آن کے ساتھ آئیں گے۔

داؤد : ایک بھی نہیں وہ تنہا ہوں گے اور تنہا ہی آپ کو جانا چاہیے ان کا خیال ہے اگر اور آدمی بھی موجود ہوں گے۔ تو شاید صلح میں کچھ عرابی واقع ہو جائے۔
خالدؓ : اگر وہ تنہا آئے گا تو میں بھی تنہا ہی جاؤں گا مگر.....

داؤد : مگر کیا؟

خالدؓ : اگر اس نے کسی فریب کا ارادہ کیا ہے تو اطمینان رکھیے کہ اس کا فریب خود اس پر ہی پڑے گا۔ اور خدا ہمیں فتح دے گا۔

داؤد کچھ سوچنے لگا۔ ابن سعیدؓ نے نری سے کہا۔ ”عیسائی برادر میں نے تمہارے بشرہ سے معلوم کر لیا ہے کہ وہ فریب دینا چاہتا ہے اور تم واقف ہو کہ وہ کیا کرنے کی فکر میں ہے تم نے کل کی جنگ کا نتیجہ دیکھ لیا کہ ہمارے صرف تیس آدمی شہید ہوئے اور تمہارے تین ہزار مارے گئے۔ تم خوب سمجھ لو کہ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔ اس لئے آج وہ بات تم ہمیں بتا دو گے جو درد آن کرنا چاہتا ہے تو ہم تمہیں اور تمہارے عزیزوں کو امان دے دیں گے۔ اور جب ہم فتح یاب ہوں گے تو تمہارے خاندان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے بد دیں گے۔ لیکن اگر تم نے نہ بتایا تو ہمارا خدا کسی اور ذریعہ سے ہمیں آگاہ کر دے گا۔ ہمارے جاسوس تمہارے میں موجود ہیں۔ شام تک وہ آکر کہہ دیں گے اس لئے پھر ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان پہنچائیں گے اور تمہارے خاندان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ رہتے دیں گے۔“

داؤد کچھ گھبرا گیا۔ اس نے کہا۔ ”کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ کو فتح ہوئی تو آپ میرے خاندان کو قتل ہونے سے بچالیں گے۔“

خالدؓ : ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔

داؤد : تو حقیقت یہی ہے جو اس (ابن سعیدؓ کی طرف اشارہ کر کے) نوجوان نے کہی۔
یعنی درد آن کا ارادہ فریب دینے کا ہے وہ رات کو دس آدمی ٹیلہ کے قریب کہیں چھپا دے گا۔ اور

خود تنہا آئے گا۔ جب گفتگو ہوگی تو وہ کوئی اشارہ کر کے ان آدمیوں کو بلا لے گا۔ اور پھر وہ آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔

خالدؓ : انشاء اللہ وہی میرے ہاتھوں میں گرفتار ہوگا۔ تم اطمینان رکھو۔ جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ پورا کیا جائے گا۔

داؤد : اچھا تو اب مجھے اجازت ہے۔

خالدؓ : ہاں جاؤ اور درد آن کو اطمینان دلا دو کہ میں تنہا اس سے ملنے کے لئے آؤں گا۔
داؤد : بہتر ہے۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا اور خالدؓ مع ہزار اور ابن سعیدؓ کے لوٹ کر کیمپ میں پہنچے کہ انھوں نے اعلان کر دیا کہ آج جنگ ملتوی رہے گی۔

مسلمان تمام کیمپ میں پھیل گئے اور کوئی ہتھیار ماف کرنے لگا کوئی کپڑے دھونے لگا کوئی کپڑے میں پیوند لگانے لگا۔ کوئی زخمیوں کی تیاری کرنے لگا۔

کچھ مسلمان میدان جنگ میں گئے اور شہیدوں کی لاشیں اٹھا لائے۔ سب نے مل کر جنازہ کی نماز پڑھی اور انھیں دفن کر دیا۔

رومی بھی میدان میں پھیل گئے اور مردوں کی لاشیں ڈھونڈنے لگے۔

بیسوال باب

روانگی

حضرت خالدؓ اپنے خیمہ پہنچ کر لشکر کے لئے احکام مزدوری صادر کرنے کے بعد کسل کے فرش پر بیٹھ گئے تھے اور ترکش میں سے تیر نکال نکال کر انھیں دیکھ اور ان کے پردوں کو سیدھا کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ابو عبیدہؓ آگئے۔ انھوں نے آکر سلام کیا۔ خالدؓ سلام کا جواب دے کر مسکرانے لگے۔

ابو عبیدہؓ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ انھوں نے کہا: ”یا امّ سلمہ! خدا تمہیں ہمیشہ ہنستار کھے۔ آج کیا بات ہے جو اس قدر ہنسی کر رہی ہے۔“

خالدؓ: ”آپ نے سنا ہوگا کہ دردان کا قصہ آیا تھا۔“

ابو عبیدہؓ: ”ہاں میں نے سنا تھا اور میں یہی دریافت کرنے آیا ہوں کہ وہ کیا کہتا تھا؟“

خالدؓ: ”وہ دن کا پیغام لایا تھا۔“

ابو عبیدہؓ: ”کیا پیغام تھا۔“

خالدؓ: ”دردان تنہائی میں ملاقات کرتا چاہتا ہے۔“

ابو عبیدہؓ: ”کس سے؟“

خالدؓ: ”مجھ سے۔“

ابو عبیدہؓ: ”گویا وہ آپ کو تنہا بلانا چاہتا ہے۔“

خالدؓ: ”جی ہاں“

ابو عبیدہؓ: ”کہاں؟“

خالدؓ: ”ایک ٹیلہ پر جو دونوں لشکروں کے بیچ میں ہے۔“

ابو عبیدہؓ: ”کیا تم نے وہاں جانے کا وعدہ کر لیا ہے؟“

خالدؓ: ”جی ہاں وعدہ کر چکا ہوں۔“

ابو عبیدہؓ: ”اور تنہا۔“

خالدؓ: ”ہاں تنہا ہی“

ابو عبیدہؓ: ”برا کیا تم نے۔“

خالدؓ: ”کیوں؟“

ابو عبیدہؓ: ”اس لئے کہ عیسائی بڑے مکار ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو تنہا بلا کر فریب دینا چاہتے ہیں۔“

خالدؓ: ”آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا۔“

ابو عبیدہؓ: ”ان کی کوئی بات بھی فریب سے خالی نہیں ہوتی۔“

اچھا! کیا فریب دینا چاہتا ہے وہ؟

خالدؓ: ”اس کا ارادہ ہے کہ رات کے وقت دس آدمیوں کو اس ٹیلہ کے قریب چھپا دے اور مجھے اور تمام مسلمانوں کو دکھانے کے لئے تنہا آئے اور جب میں اس سے گفتگو میں مشغول ہو جاؤں تو وہ اپنے آدمیوں کو اشارہ کر کے بلالے۔“

ابو عبیدہؓ: ”انے مسکر کر کہا: ”غالباً اس کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں جو اسلامی لشکر کے سردار ہو، گرفتار کر لے گا تو تمام مسلمان بھاگ جائیں گے۔“

خالدؓ: ”غالباً اس نے یہی سمجھا ہے۔“

ابو عبیدہؓ: ”یہے وقوف انسان یہ نہیں جانتا کہ مسلمان کسی سردار کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔“

خالدؓ: ”حقیقت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو بھی اپنے ہی لشکر کی طرح سمجھتا ہے اور

ہیں۔“

حضرتؓ : اور آپ کا کیا مشورہ ہے؟

ابو عبیدہؓ : میں نامناسب سمجھتا ہوں

حضرتؓ : بالکل نامناسب ہے۔

ابن سعیدؓ : میں بھی اس بات کو ٹھیک نہیں سمجھتا۔

عبدالرحمنؓ : دیکھئے ایک مسلمان کا خون ہزاروں کافروں کے خون سے بیش قیمت

ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ فرمایا ہے کہ آپ کے نزدیک

ساری دنیا سے افضل اور برتر ایک مسلمان کا خون ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ وہاں تنہا جائیں اور

خدا نخواستہ آپ کو کوئی گزند پہنچ جائے تو اگر ہم عیسائیوں کا قتل عام کر کے انہیں شکست دے

کر بھگا بھی دیں تب بھی آپ کے خون کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

عبداللہؓ : کیا نہیں جانتے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اول مسلمانوں سے کس قدر محبت

کرتے ہیں۔ خدا کی قسم وہ دنیا بھر سے زیادہ مسلمانوں کو محبوب رکھتے ہیں۔ اگر آپ تنہا جائیں

اور کوئی حادثہ ہو جائے تو ہم تمام مسلمانوں سے وہ باز پرس کریں گے۔ بتائیے ہم انہیں کیا

جواب دیں گے۔

مالک اشترؓ : دیکھئے ہم خلیفہ سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ شاید کوئی قوم اپنے بادشاہ

سے ڈرتی ہو۔ جب ہم باز پرس کا محقول جواب نہ دے سکیں گے تو پھر ہم سب پر عتاب

نازل ہوگا۔

ابو عبیدہؓ : اب تم نے سن لیا ان اکابر قوم کی رائے اور مشوروں کو کوئی بھی اس بات

پر آمادہ نہیں ہے کہ تمہیں تنہا جانے دے۔

خالدؓ : خدا کی قسم میں ان لوگوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھتا، چاہتا تو یہی ہوں

کہ تنہا جاؤں، مگر جب آپ سب کی یہی رائے ہے کہ میں نہ جاؤں تو نہ جاؤں گا۔ لیکن اور

کتنے آدمیوں کو لے جاؤں۔

ابو عبیدہؓ : وردان دس آدمیوں کو لائے گا۔ تم بھی دس ہی کو لے جاؤ۔

خیال کئے ہوئے ہے کہ جس طرح عیسائی سرداروں کے قتل یا گرفتار ہوتے ہی بھاگ

جاتے ہیں یا اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی یا تو بھاگ جائیں گے یا ہتھیار

ڈال دیں گے۔

ابو عبیدہؓ : وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا لشکر تنخواہ دار ہے اور مسلمان تنخواہ دار نہیں

ہیں۔ تنخواہ پانے والے لوگ اسی قدر کام کیا کرتے ہیں۔ جس قدر انہیں ملتی ہے اور بغیر

تنخواہ والے ہر کام پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

خالدؓ : وہ عام سپاہیوں اور مجاہدوں میں فرق نہیں سمجھتا۔

ابو عبیدہؓ : بے وقوف ہے۔ اچھا تم نے کیا سوچا ہے؟

خالدؓ : یہی کہ میں جاؤں گا۔

ابو عبیدہؓ : اور تنہا جاؤ گے۔

خالدؓ : ہاں یہی ارادہ ہے۔

ابو عبیدہؓ : حالانکہ اس کے ساتھ دس آدمی اور ہوں گے۔

خالدؓ : ہاں دس سپاہی ہوں گے اور گیارہ ہوں وہ خود ہوگا۔

ابو عبیدہؓ : مگر تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ وہ دس سپاہی معمولی نہ ہوں گے بلکہ تمام

میں سے انتخاب کئے ہوں گے۔

خالدؓ : بے شک لیکن ہوں گے کل گیا رہ ہی۔

ابو عبیدہؓ : میں تمہیں تنہا جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اس وقت ابن سعیدؓ، حضرتؓ، عبدالرحمنؓ، عبداللہؓ اور مالک اشترؓ آگے اور وہ

سلام کر کے بیٹھ گئے۔

خالدؓ نے سلام کا جواب دیا اور ابو عبیدہؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ”لیکن کوئی

اندیشہ کی بات نہیں ہے۔“

حضرتؓ نے دریافت کیا: ”کس بات میں اندیشہ نہیں ہے؟“

ابو عبیدہؓ : یہ تنہا وردان اور اس کے دس آدمیوں کے مقابلہ میں جا رہے

خالدؓ : مگر وہ گیارہ ہوئے تو ہم گیارہ ہی ہو جائیں گے۔

ابوعبیدہؓ : میں یہی چاہتا ہوں۔

خالدؓ : لیکن کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کل تنہا فرار کرنے جب وہ لشکر کی خبر لینے گئے تھے۔ انیس آدمیوں کو مار ڈالا تھا۔ اور جب دوبارہ لڑے تو بیس کو ختم کر دیا تھا۔ گویا انہیں آدمیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔

ابوعبیدہؓ : کر دیا تھا اور تم بھی کر سکتے ہو۔ مگر کیا ضرورت ہے، اتنی مشقت بلا وجہ برداشت کی جائے۔ اگر عام جنگ شروع ہو جائے تو ہر مسلمان کافر من ہے کہ مقدور بھر کوشش کرے۔

خالدؓ : اچھا میں پانچ اصحاب کو ساتھ لے جاؤں گا۔

اگرچہ اس زمانہ میں جس زمانہ کے واقعات ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالار تھے۔ اور ابوعبیدہؓ ان کے ماتحت تھے لیکن مسلمانوں میں انسانی مانتی محض نظام قائم رکھنے کے لئے ہوتی تھی۔ یہ نہ ہوتا تھا کہ افسر اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدا کا ہمسر سمجھے اور ماتحتوں کو ذلیل ترین مخلوق خیال کرے جیسا اس زمانہ کے اکثر حکام خیال کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ بات نہ تھی ہر مسلمان آزاد تھا۔ آزادانہ مشورے دیتا تھا۔ افسروں پر نکتہ چینی کرتا تھا۔ نہ صرف افسروں پر بلکہ خود خلیفہ کو بھی ذرا سی بات پر ٹوک دیتا تھا۔

گویا عام مسلمان انہیں اور خلفاء کو سیدھے راستہ پر چلنے کی تلقین کرتے رہتے تھے آج کس حکومت میں بھی عوام کی کوئی وقعت نہیں ہے جو حکومتوں کے خاص رکن ہیں۔ ان کے جی میں جو آگنا ہے کرتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں۔ خواہ وہ کچھ کرتے رہیں۔

اکثر اس قسم کی عوام داری قوسوں اور حکومتوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ جنگ عظیم ۱۹۴۷ء میں واقع ہوئی تھی۔ اس کی تصدیق کرتی ہے۔

عرض باوجودیکہ ابوعبیدہؓ تھے۔ اور خالدؓ سپہ سالار تھے لیکن وہ سپہ سالار ہوتے ہوئے بھی مجبور تھے اپنے ماتحتوں کی رائے ماننے پر۔

جب ابوعبیدہؓ نے اصرار اور تاکید کے لہجہ میں کہا : ”نہیں دس لے جاؤ“ تو خالدؓ

نے کہا : ”بہت اچھا دس ہی لے جاؤں گا“

ابوعبیدہؓ : اچھا انتخاب کر لو۔

خالدؓ : بس میں کیا انتخاب کروں گا۔ آپ ہی بتادیں۔

ابوعبیدہؓ : اچھا میں ہی بتائے دیتا ہوں۔ (۱) رافعؓ بن عمیرہ الطائی، (۲) مسیبؓ بن بختہ الفزاری (۳) معاذؓ بن جبل (۴) ہزارؓ بن الازدر (۵) سعیدؓ بن زور (۶) سعیدؓ بن عامر (۷) ابی سعیدؓ (۸) قیسؓ بن ابیرہ (۹) زفرؓ بن سعید اور فدی بن حاتم الطائی۔

خالدؓ : نہایت مناسب ہے۔

ابوعبیدہؓ : اب تم ان سب کو بلا کر ہدایت کر دو کہ وہ تیار ہو جائیں اور آدھی رات کے بعد اس ٹیلہ کے گرد چھپ جائیں۔

خالدؓ : بہت اچھا۔

انہوں نے لوگوں کو جودہاں موجود تھے بلوایا۔ جب سب آگئے تو انہوں نے تمام اوتار سنا کر ان سے کہہ دیا کہ وہ تیار ہو کر عشاء کی نماز کے بعد آجائیں۔

چونکہ اب کوئی اور بات باقی نہ رہی تھی۔ اس لئے سب اٹھ اٹھ کھلے گئے۔ اور سارے دن اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہے۔

جب انہوں نے عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھا لیا تو وہ دس آدمی جنہیں ابوعبیدہؓ نے منتخب کیا تھا۔ سنا ہو کر خالدؓ کے خیمہ پر آگئے۔

خالدؓ نے ان سے کہا : ”دیکھو میں تم پر ہزارؓ کو افسر مقرر کرتا ہوں تم سب ان کی اطاعت اسی طرح کرنا جس طرح میری کرتے تھے“

۱۔ ابن سعیدؓ جو اس نادل کے ہیرو ہیں ان کا اصل نام ابانؓ تھا۔ مگر چونکہ ان کی منگیتر کا نام ام ابانؓ تھا اس لئے ہم نے ابانؓ کو ابن سعیدؓ لکھا ہے کہ وہ سعیدؓ کے بیٹے تھے۔ تاکہ ناظرین کو کوئی مغالطہ نہ ہو۔

(صاف صاف مدتی)

اکیسواں باب

خوف و حیرت

سب نے کہا: ”سمعاً واطعاً“۔ یعنی ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کریں گے۔
خالدؓ: تم سب نہایت خاموشی سے روانہ ہو جاؤ۔ رات اندھیری ہے۔ یقین ہے
کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے گا۔ مگر پھر بھی اس لئے احتیاط کرنے کی ضرورت ہے کہ دشمنوں کے
آدنی بھی وہاں چھپے ہوں گے وہ تمہیں نہ دیکھ لیں۔

صنارؓ: اطمینان رکھیے۔ ہم پوری احتیاط کریں گے۔

خالدؓ: پیدل جانا، گھوڑوں پر سوار ہو کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

صنارؓ: ہم پہلے ہی گھوڑے کر نہیں آئے ہیں۔

خالدؓ: اگر میں دیکھوں گا کہ وہ دشمن قدام مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے آدنی

نکل آئے ہیں۔ تب میں نعرہ لگاؤں گا تم فوراً چلے آنا۔

صنارؓ: بہتر ہے۔

خالدؓ: اچھا اب جاؤ خدا تمہاری حفاظت کرے

سب نے انہیں سلام کیا اور وہاں سے چل کر کیمپ سے باہر نکلے۔ اور رومی کیمپ

کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ دور چل کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

کلوٹ اور اس کے دونوں افسر گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے اور قصبہ حلوان سے باہر نکل کر
اسی راستہ پر ہوئے جو دمشق کو گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر سوس ان سے رخصت ہو کر کچھ ہی
دیر پہلے روانہ ہوا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ چند میل چل کر وہ سامنے جانا ہوا نظر آجائے گا
اور پھر خاموشی سے اس کا تعاقب کریں گے۔

وہ چلتے رہے۔ نہایت تیزی سے یہاں تک انہوں نے کئی میل کا فاصلہ طے کر لیا مگر
اگر سوس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اب تک تو کلوٹ کو شک نہیں ہوا۔ مگر اب اس کے نہ ملنے سے
اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے ایک افسر سے مخاطب ہو کر کہا: ”ہم کافی دور نکل آئے ہیں لیکن اگر سوس
ابھی تک نہیں ملا۔“

ایک افسر نے کہا: ”ممکن ہے ابھی وہ حلوان ہی میں ہو۔“

کلوٹ: مگر وہ کہتا تھا کہ اس کی بیوی ہے۔

دوسرا: جھوٹ بولتا تھا حضور۔

کلوٹ: اب تک تو کچھ مجھے بھی شک ہونے لگا ہے۔

پہلا: اور مجھے اس کی باتیں سننے ہی شک ہو گیا تھا۔

کلوں : کیا شک ہوا تھا تمہیں ؟

پہلا : ابھی کہ عرب دو ٹیڑھ کے گم کرتے ہیں اس کی سازش ہے۔

کلوں : مگر یہ شک کیوں ہوا تمہیں ؟

پہلا : اس کی آنکھیں دیکھ کر

دوسرا : حقیقت یہی ہے کہ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے

کلوں : مجھے شک نہیں گزرا تھا ورنہ ۔۔۔۔۔۔۔

پہلا انسرا : آپ اس کا اسی وقت خاتمہ کر دیتے۔

کلوں نے جوش میں آکر کہا : مسیح کی منتیں اسی وقت مار ڈالتا اسے

دوسرا : ہم بہت روز نکل آئے ہیں اور نہایت تیزی سے آئے ہیں۔ اگر وہ اس

طرح آتا تو ہم اسے پکڑ لیتے۔

کلوں : ٹھیک کہہ رہے ہو تم، ہمیں اب واپس ہی لوٹنا چاہیئے۔

پہلا : ذرا ٹھہریئے سامنے سے ایک سوار آ رہا ہے اسے آجانے دیکھئے۔ اس

سے دریافت کر لیں۔

کلوں : ٹھیک ہے۔

ابھی تک تینوں تیزی سے گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ دھوپ نکلی ہوئی ہر

چیز چمک رہی تھی۔ کسی قدر گرمی کا دقت ہو گیا گھوڑوں کو پسینہ آنے لگا تھا۔

سامنے ایک سوار آ رہا تھا۔ جب وہ ان کے قریب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک

بڑا پادری ہے۔ ان تینوں نے اسے سلام کیا اس نے برکت کے لئے ہاتھ اٹھایا یا کلوں

نے اس سے دریافت کیا : آپ کو راستے میں اوسوس تو نہیں ملے؟

پادری نے کہا : نہیں، مگر میں ان کے پاس ہی جا رہا ہوں۔

کلوں : کیا حلوان جا رہے ہیں آپ ؟

پادری : نہیں میں دیر سچ میں جا رہا ہوں۔

کلوں : اس دیر میں جو ہر استریاق کے کنارے پر ہے۔

پادری : جی ہاں

کلوں : شاید آپ کو اوسوس نے وہیں طلب کیا ہے۔

پادری : جی ہاں وہی بلا یا ہے۔

کلوں : آپ کہاں رہتے ہیں۔

پادری : یہ سامنے چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس کے گرجا میں رہتا ہوں۔ پادری

نے اشارہ کیا ان تینوں نے دیکھا راستہ سے ذرا ہٹ کر ایک بستی تھی۔ مگر بہت چھوٹی۔ کلوں

نے کہا : کس وقت آپ کے پاس ان کا آدنی آیا تھا ؟

پادری : غالباً پچھلی رات کو آیا تھا۔ مگر میں وہاں موجود نہ تھا۔ صبح جب آیا تو وہ ملا میں

ایک لمحہ ضائع بغیر چل پڑا۔

کلوں : کسی خاص کام کے لئے بلایا ہوگا، اس نے آپ کو۔

پادری جو شخص مجھے بلانے آیا تھا وہ کہتا تھا کہ کسی کو بتیسرہ دینا ہے۔

یہ سنتے ہی کلوں نے افسروں کو اور افسروں نے کلوں کو دیکھا۔

کلوں : مگر یہ نہیں بتایا آپ کو کہ بتیسرہ کسے دینا ہے۔

پادری : نہیں، شاید اسے خود بھی کچھ معلوم نہیں ہے۔

کلوں : بہتر ہے جاٹیے۔

پادری : آپ شاید حلوان ہی سے آ رہے ہیں۔

کلوں : جی ہاں۔

پادری : اور وہ آپ کا مکان پر نہیں ملے ہوں گے۔

کلوں : ہاں یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ دمشق گئے ہیں۔

پادری : اچھا تو آئیے میں آپ کی ملاقات کوادوں گا۔

ملہ عیسائی جب کسی کو عیسائی بناتے ہیں یا اپنے بچوں کا نام رکھتے ہیں تو وہ انہیں ماہ معمولی

کے چھینٹے دیتے ہیں اور اسے بتیسرہ دینا کہتے ہیں۔

کلوں : بس تو کچھ آؤ۔ چلو اور دیکھو کہ میری سیس میں کون ہے اور کسے بپتسمہ دیا جا رہا ہے۔

پہلا : چلے، مگر ذرا تیزی سے۔

کلوں : نہیں ! اطمینان اور آرام سے چلو تاکہ یہ پادری ہمارے جانے سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔

دوسرا : بہتر ہے۔

اب یہ لوگ لوٹے اور چند قدم چل کر گنجان درختوں کے جنگل میں گھس گئے۔

اس جنگل میں اس کثرت سے درخت کھڑے تھے کہ گھوڑے مشکل سے تنوں اور شاخوں سے بچنا کر چل رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں چل کر یہ اس تاریک جنگل سے باہر نکلے اور ایک کھلے ہوئے میدان کو طے کرنے لگے۔

یہ میدان ہموار اور سطح نہیں تھا۔ بلکہ ناہموار اور ڈھلوان تھا۔ ادھر ادھر کہیں کہیں دو چار درخت بھی کھڑے تھے۔ لیکن سامنے بہت دور درختوں کی ایک باڑھ تھی۔ اور ان درختوں کے نیچے ایک سفید سانپ لہرا رہا تھا۔ جو آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے چمک رہا تھا۔ یہ تینوں تیزی سے روانہ ہو گئے۔ جوں جوں وہ بڑھتے جاتے تھے سانپ کی جسامت بڑھتی جاتی تھی۔

پورے ایک گھنٹہ میں انھوں نے وہ میدان طے کیا اور وہاں پہنچے۔ جہاں سفید سانپ ریختا ہوا نظر آ رہا تھا۔

یہ سانپ نہ تھا بلکہ چھوٹا سا دریا تھا۔ غالباً یہ اس دریا اور اس میدان سے بخوبی واقف تھے انھوں نے گھوڑے اس میں ڈال دیئے اور اس کے پارا تر کر درختوں کی قطاروں کی طرف چلے۔

تھوڑے ہی فاصلہ پر سامنے درختوں کی قطار دور تک پھیلی ہوئی چلی گئی تھی۔

اب انھوں نے گھوڑوں کو اور تیز کر دیا اور درختوں کا درمیانی میدان طے کر کے درختوں

کلوں : آپ کا شکریہ۔ بس آپ جیسے نہیں دشمن جانا ہے واپسی میں ملاقات کریں گے۔

پادری چلا گیا۔ یہ تینوں دشمن کی طرف چلنے لگے۔ کچھ دور چل کر ایک افسر نے کہا ”یہ ارسوئس کسے بپتسمہ دلانا چاہتا ہے۔“

دوسرا : غالباً اسی دوشیزہ کو جو کمرہ میں سے غائب کر دی گئی ہے۔

کلوں : مجھے بھی یہی شک ہو گیا ہے۔

پہلا : کس قدر مکاری کی ہے اس نے

دوسرا : بڑا دھوکا دیا۔

کلوں نے جوش میں آکر کہا ”اسے اس فریب دینے کا غیانا نہ بھگتا پڑے گا۔“

پہلا : کیا حضور دیر میں تشریف لے جائیں گے؟

کلوں : یقیناً

دوسرا : لیکن ہم صرف تین ہیں اور اس کے ساتھ خدا جانے کتنے آدمی ہوں۔

کلوں : پردہ مست کر دو۔ وہ اور اس کے ساتھی ہمیں دیکھتے ہی کانپ جائیں گے

پہلا : مگر حضور اچھا تھا کہ کہیں سے کچھ اور آدمی ساتھ لے لئے جاتے۔

کلوں : اب اتنا وقت اور موقع نہیں رہا ہے۔ آؤ ہم دوسرے راستہ سے چلیں

دوسرا : چلے لیکن پھر سوچ لیجئے کہ اگر وہاں وہ مسلم دوشیزہ ہوئی تو جان کی بازی ہٹ

جائے گی۔

کلوں نے حقارت بھری نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تم اس سے اور

اس کے آدمیوں سے ڈرتے ہو؟

پہلا افسر تن گیا اس نے کہا۔ ہم اور ڈر جائیں۔ ہرگز نہیں اس کی اور اس کے آدمیوں

کی بساط ہی کیا ہے۔“

دوسرا : یہی بات ہے۔ جو سکار، فریبی اور وقار ہوتا ہے۔ وہ بہادر نہیں

ہوا کرتا ہے۔

کے پاس جا پہنچے۔

یہ درخت نہراستریاتی کے کنارے پکھڑے تھے۔ ان کے نیچے نہر جا رہی تھی۔

کلوں نے کہا: ہم دیر کے قریب آگئے ہیں۔ اب ہمیں احتیاط کرنی چاہیئے۔

پہلا انسیر: ہمیں ان درختوں کے جھنڈ میں چلنا چاہیئے۔

کلوں: یہی میرا ارادہ ہے۔

دوسرا: اور اس آہستگی کے ساتھ کہ گھوڑوں کی سمروں کی آواز بلند نہ ہو۔

کلوں: فرادیکھو تو سہی، وہ پادری تو کہیں نظر نہیں آتا۔

دونوں انسروں نے جھانک کر دیکھا۔ ان سے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر وہ سر

جھکائے جا رہا تھا۔ دونوں پیچھے ہٹ کر کلوں کے پاس آئے اور ایک نے کہا۔

”پادری جا رہا ہے۔“

کلوں: جانے دو، ہم تھوڑی دیر کھڑے ہو کر ستالیں۔

دوسرا: نہیں بلکہ آہستہ آہستہ چلیں۔

کلوں: اچھا چلو

تینوں آہستہ آہستہ پیٹے۔ دیر تک رہے، آخر وہ رک گئے کلوں نے کہا:

اب ہم دیر کے بالکل قریب آگئے ہیں۔

پہلا: ہمیں گھوڑے میں چھوڑ دینا چاہیئے۔

کلوں: یہی میرا منشاء ہے۔

تینوں گھوڑوں سے نیچے اتر گئے اور انھیں درختوں کی موٹی شاخوں سے باندھ کر چلے۔

ابھی وہ چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک شخص نے گتھی شاخیں ہٹا کر جھانکا۔ یہ سرپس

تھا۔ وہ ان تینوں کو دیکھتا رہا۔ جب وہ اس سے کچھ فاصلہ پر چلے گئے تو وہ باہر نکلا اور ان

کے پیچھے دبے قدموں چل پڑا۔

کلوں مع انسروں کے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر چل کر وہ مغرب کی طرف چلے اور ان

درختوں کے جھنڈ میں سے نکلے۔ سامنے ایک بچوٹا سا گر جا تھا۔ جو درختوں سے چھپا ہوا تھا

لیکن اس کی لاٹ نظر آ رہی تھی۔

تینوں گر جا کی طرف بڑھے اور اپنے آپ کو درختوں کی شاخوں اور پنوں میں چھپاتے ہوئے پھلتے رہے۔

کچھ ہی دیر چلے تھے کہ گر جا کی عمارت آگئی۔ دروازہ پر وہی گھوڑا کھڑا تھا جس پر پادری سوار ہو کر آیا تھا۔ ایک دیر کا ملازم گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے تھا۔ وہ ان تینوں کو دیکھ کر کچھ غوف زدہ ہو گیا۔

یہ بڑھ کر اس کے پاس پہنچے۔ کلوں نے دریافت کیا۔ ”کیا اسوس گریجے کے اندر ہیں؟“

ملازم جواب دیا: ”جی ہاں اندر ہیں۔“

کلوں: اور لڑکی بھی آگئی ہے۔

ملازم: اسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔

کلوں: اب بتیسرہ دیا جا رہا ہوگا۔

ملازم: جی ہاں

کلوں: اچھے وقت پر آگئے۔ ہم بھی اس مبارک رسم میں شامل ہو جائیں گے۔

ملازم: مگر حضور اندر جانے کی تو کسی کو اجازت نہیں ہے۔

کلوں: ہمیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

ملازم: اچھا تو ٹھہر جائیے میں اطلاع کر دوں۔

کلوں: اچھا۔

جوں ہی ملازم چلا۔ کلوں نے انسروں کو اشارہ کیا۔ دونوں اس پر جاٹھڑے اور

قبل اس کے کہ وہ شو بچائے اسے اپنے قابو میں کر کے باندھ لیا۔ منہ میں کچھ اٹھوٹا اور

جھاڑیوں کے پیچھے چھپا دیا۔

اب یہ تینوں چلے اور گر جا کے اندر گئے۔ چند گہروں کو طے کر کے جب وہ ایک چھوٹے

کمرے میں پہنچے تو وہاں باتوں کی آواز آئی۔ یہ خاموش ہو کر سننے لگے۔ پادری کہہ رہا تھا۔

کلوں : یہاں کیسے آئی ؟

ارموسس : میں لایا ۔

کلوں : تم نے اس جن یا بھوت سے اسے کیسے چھڑایا ؟

ارموسس : میں اسے بتانا نہیں چاہتا ۔

کلوں کا چہرہ کہہ رہا تھا کہ اسے بے حد غصہ آ رہا ہے ۔ مگر وہ ضبط کر رہا تھا ۔

اس نے کہا : ” دوست میں دریافت کرنا چاہتا ہوں “

ارموسس : کیا تم اس ماہ پیکر سے دست بردار ہونے کا وعدہ کرتے ہو ۔

کلوں : ہاں ۔

ارموسس : تو سنو ! میں اس حسینہ کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا تھا ۔ راست

کو جب تم سو گئے تو میں نے ریکھ کی کھال اوڑھی اور تمہارے کمرہ میں جا گھسا ۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم لوگ جاگ جاؤ ۔ مگر جب میں نے اس نازنین کو اٹھایا تو اس کی آنکھ کھل گئی ۔

اور اس نے چیخ ماری ۔ تم جاگ کر میرے پیچھے دوڑے ۔ میں نے جب تمہاری طرف اپنا رخ کیا ۔ تو تم ڈر کر بے ہوش ہو گئے ۔ تمہارے گرنے سے ان دونوں افسروں کی آنکھ کھل گئی ۔ یہ مجھے دیکھتے ہی صوفوں پر اوندھے جا پڑے ؟

دونوں افسروں کو اس کی بات نہایت ناگوار گزری ۔ دونوں تے برا سا منہ بنا کر

کہا : ” کیسا بے ہودہ آدمی ہے ۔ کبھی ہماری بہادری کا پول کھولنے لگا ۔

کلوں نے جوش میں آ کر کہا : ” شری شیطان تو نے مجھے دھوکا دیا “

ارموسس نے قدرے مسکرا کر کہا : ” اور کیا کرتا میں حضور ؟ “

کلوں جوش و غضب میں بھر گیا ۔ اس نے تلوار کھینچتے ہوئے کہا : ” دغا باز ! اب

کون تجھے میرے جلے سے بچائے گا “

ارموسس نے پادری کے پیچھے جا کر کہا : ” مگر اب حملہ کرنے کی ضرورت باقی رہی ہے “

کلوں : مکار ! میں تجھے فریب دہی کی سزا دوں گا ۔

ارموسس : مگر اب بھگڑا ہی کیا باقی رہا ہے ؟

کلوں : کیا مطلب ہے اس سے تیرا ؟

ارموسس : ہاں ! یہ سب کچھ سن کر

” بیٹی منہ نہ کر ۔ مان جاؤ “

کس لڑکی کی آواز آئی ۔ نہیں میں کبھی نہیں مان سکتی ۔

ان تینوں نے دروازہ کھولا اور بڑھ کر ایک وسیع کمرہ میں جا پہنچے ۔

اس کمرہ میں ارموسس ، پادری اور دو اور عیسائی گھڑے تھے اور ان کے بیچ میں ام پان

تھیں ۔

کلوں اور اس کے دونوں ساتھیوں کو دیکھتے ہی ارموسس اور دونوں عیسائیوں کے چہرے

فق پڑ گئے اور وہ خوف زدہ لگا ہوں سے انھیں دیکھنے لگے ۔

بائیسواں باب

مفقود الجبر

کلوں نے آگے بڑھ کر کہا : ” ارموسس یہ کیا معاملہ ہے ؟ “

ارموسس نے کسی قدر حیرت کر کے کہا : ” میں کیا بتاؤں تم خود ہی سب کچھ دیکھ رہے

ہو “

کلوں : مگر تم تو کہتے تھے کہ تمہاری بیوی بیمار ہے اور تم دشمن جا رہے ؟

ارموسس : تمہیں مفاد میں ڈالنے کے لئے کوئی بہانہ کرنا ضروری تھا ۔

کلوں : اور یہ مسلم دشمن ؟

ارموسس : تمہارے سامنے موجود ہے ۔

کلوں : میں مرتے دم تک بھی اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

ارموس : مگر آپ نے ابھی فرمایا تھا۔

کلوں : میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تو اسے کیسے لایا؟

ارموس : پھر کیا ارادہ ہے؟

کلوں : اگر تو اسے میرے حوالہ کر دے تو میں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔

ارموس : اور اگر ایسا نہ کروں۔

کلوں : تو تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل کر ڈالوں گا اور تیرا مکان کھد کر کھنڈر کرادوں گا۔

ارموس : کو جوش آگیا۔ اس نے کہا : ”یہ قصد ہے آپ کا؟“

کلوں : ہاں میرا یہی قصد ہے۔ فریبی کہتے : ”تو نے مجھے ڈرایا۔ اس حسیہ کو اٹھا

لایا اور یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے سزا دوں۔“

ارموس نے اطمینان کے لہجہ میں کہا : ”مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ ہم عیسائی آپس میں لڑیں۔“

کلوں : اگر تیرا یہ قصد ہے تو اس پری جال کو میرے ساتھ جانے دے۔

ارموس : یہ بھی ناممکن ہے۔

”ناممکن ہے۔“ کلوں نے گرج کر کہا۔

ارموس : ہاں ناممکن ہے۔

کلوں : کیا تو مجھے نہیں جانتا؟

ارموس : اچھی طرح جانتا ہوں۔

کلوں : مجھ میں طاقت ہے کہ میں اس گرجا کو، حلوان کو اور اس کے قریب و جوار کے

دیہات کو اجاڑ دوں، جلوادوں، جڑ بنیاد سے اکھڑا دوں۔

ارموس : یہ تمہارا زعم ہی زعم ہے۔

کلوں : اچھا تو میری طاقت اور قوت کا اندازہ کرنا چاہتا ہے۔

ارموس : میں تمہاری طاقت سے واقف ہوں۔

کلوں : اچھا تو لے سنبھل۔

یہ کہتے ہی اس نے تلوار بلند کی۔ ارموس نے کہا : ”دیکھنے میں بھی تک؟“ کلوں نے

زرہا ہوں۔

کلوں : لحاظ کر رہا ہے بد معاش۔

اب ارموس کو بہت غصہ آگیا اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ فوجی کہتے : تو اس کا مقابلہ کر رہا ہے جس کا تو نے ٹمک کھا یا ہے۔ جس کے ٹکڑوں پر تو پلا ہے۔“

کلوں کی آنکھیں جوش و غضب سے انگارہ بن گئیں۔ اس نے کہا : ”انتہا ہو گئی۔ تو نے ایک اعلیٰ فوجی انسر کی توہین کر کے شہنشاہ کے غصہ کو بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ جہاں پناہ تیری زبان درازی کا واقعہ سن کر تجھے اور تیرے خاندان کو قتل کا حکم دیں میں تجھے ایسی سزا.....“

ارموس نے طیش میں آ کر کہا : ”سزا.....“ رہتے دے اپنی زبان کو بند رہتے دے در نہ تیرا سر ٹھوکر میں کھاتا پھرے گا۔

یہ کہتے ہی اس نے بجھا تلوار کھینچ لی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔

یہ کمرہ قربان گاہ کا کمرہ تھا۔ اس میں ایک طرف ایک پتھر کے پرانے منگے میں ماہ مسمومہ تھا۔ پاک پانی۔

جوں ہی وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں آ گئے۔ فوراً پادری ان کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں کی طرف بلند کرتے ہوئے کہا۔ ٹھہر جائیے یہ مقدس جگہ ہے اس جگہ کا احترام ہر عیسائی پر فرض ہے۔ یہاں خونریزی نہ کیجیے۔“

ارموس : میں لحاظ کر رہا تھا۔ لیکن اس نے زبان درازی کر کے مجھے جوش دلایا اور اب میں اسے قتل کرنے بغیر نہیں مان سکتا۔

کلوں : پادری صاحب ہٹ جائیے۔ مجھے اس کا سر کاٹ کر اپنی توہین کا بدلہ لینا دیکھنا پادری ہٹ گیا، کلوں کے جوش میں آ کر ارموس پر حملہ کیا۔ اس نے تیرہ منٹ بدل کر دہ

الٹو کا اور پھر خود بھی حملہ کر دیا۔

دونوں جنگ میں مشغول ہو گئے۔ انھیں لڑتے ہوئے دیکھ کر ارموس کے ساتھیوں نے

ادھر ارموس کے ہمراہیوں نے بھی تلواریں سوت لیں اور وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگے

قربان گاہ کے کمرہ میں لڑائی ہو رہی تھی۔ کلوں، ارسوس پر اور ارسوس کلوں پر
چلے کر رہے تھے۔ آخر کلوں نے جھپٹ کر حملہ کیا اور ارسوس قتل ہو کر گر گیا۔

لیکن اسی عرصہ میں ارسوس کے ایک ہمراہی نے کلوں کے ایک افسر کو مار ڈالا اور اب
وہ کلوں کی طرف بڑا۔

کلوں نے اس سے بھی جنگ شروع کر دی اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس کا بھی خاتمہ کر
دیا تھا۔

ادھر اس کے دوسرے افسر نے ارسوس کے ہمراہی کو مار ڈالا۔
اس طرح ارسوس اور اس کے ہمراہی دونوں ساتھی مارے گئے اور کلوں کا ایک ہی افسر
قتل ہوا۔

جب وہ لڑائی سے فارغ ہو گئے تو انھوں نے تلواریں صاف کر کے میان میں
ڈالیں اور ادھر ادھر ام ابان کو دیکھا۔ وہ پہلے ہی وہاں سے جا چکیں تھیں۔ کلوں نے
کہا: ”دیکھو وہ مسلم دشمنہ باہر نکل گئی ہے۔ چلو اسے پکڑیں۔ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔
دونوں دوڑ کر گرجا سے باہر نکلے۔ پادری کا گھوڑا کھڑا تھا۔ انھوں ادھر ادھر دیکھا۔
درختوں کے پیچھے تلاش کیا۔ جب نہ ملی تو اس طرف جہاں وہ اپنے گھوڑے چھوڑ
آئے تھے۔

وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ دو گھوڑے غائب تھے اور ایک سراپا اٹھا کلوں
اور اس کا ساتھی یہ کیفیت دیکھ کر تیراں رہ گئے۔

لڑائی میں مشغول ہو گئے۔ انہیں جوش و غضب نے ایسا اندھا کر دیا کہ وہ بھول گئے اس بات
کو کہ جہاں وہ لڑنے لگے تھے۔ وہ نہایت مقدس جگہ تھی۔ اور وہاں جنگ کرنا نہ صرف مجرب
اور نامناسب ہی نہیں بلکہ بڑے گناہ کی بات تھی۔

جب انھوں نے جنگ شروع کی تو پادری ڈر کر ماہ معمریہ کے سٹکے سے جا لگا۔ اور اس کو
پکڑ کر اس کے سہارے کھڑا ہو گیا۔

ام ابان بہت کراں دروازہ پر جا پہنچیں جس سے کلوں اور اس کے ساتھی آئے تھے۔
وہ خوف زدہ لگا ہوں سے انہیں لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور دونوں ہاتھ بازوؤں
پر پھیلائے دیوار پکڑے کھڑی تھیں۔

وہ لڑائی کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ جو لوگ لڑ رہے تھے وہ ان کے دشمن تھے۔ مگر تاکہ دشمن
نہ ہوں لیکن عصمت کے ڈاکو تھے۔ جب کہ وہ انہیں لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ کسی نے
ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ انھوں نے قسم کھائی۔ ایک دروازہ پر کھڑا تھا۔ یہ سب سن کر
اس نے انہیں آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستگی سے دروازہ میں داخل ہو کر چھوٹے
کمرہ میں پہنچ گئیں۔ مریس نے کہا: ”مسموم دشمنہ! میں تمہارا ہی خواہ ہوں۔ مجھے مسلمانوں نے
تمہیں چھڑلانے کے لئے بھیجا ہے۔ مجھ پر بھروسہ کرو اور میرے ساتھ چلو۔

ام ابان نے بے اعتباری کی نظروں سے دیکھ کر کہا: ”مگر اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ
تم مجھے دھوکا نہ دو گے؟“

مریس: ”میں خدا کی قسم کہتا ہوں کہ تمہیں دھوکا نہ دوں گا اور اسلامی لشکر میں
پہنچا دوں گا۔ وقت زار ہے۔ ان بد بختوں کو لڑے دو اور تم ساتھ چلو۔

ام ابان: ”میری دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔

مریس: ”میں خیال کر لو کہ اگر تم یہاں رہیں تو یہ کئی ہیں تمہیں نقصان پہنچا سکتے
ہیں اور میں تنہا ہوں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ام ابان: ”اچھا چلو۔

دونوں آہستہ سے روانہ ہو گئے۔

تیشواں باب

مریس کی دُعا

ام ابانؑ مریس کے ساتھ گرجا سے باہر نکلیں۔ انھوں نے ایک گھوڑا کھڑا دیکھا جو نکلے انھیں اندیشہ تھا کہ ہیں وہ لوگ جو گرجا کے اندر لڑ رہے ہیں باہر نہ نکل آئیں اس لئے اضطراب اور پریشانی کی وجہ سے ان کے چہرہ کا سرخ رنگ بالکل سفید ہو رہا تھا۔ اور ہوش ربا آنکھوں سے گھبراہٹ کے آثار ظاہر تھے۔

انھوں نے باہر آتے ہی کہا: ”گھوڑا تو ایک ہی ہے ہم کیسے بھاگ سکیں گے؟“

مریس نے تسلی دہ لہجہ میں کہا: ”اطمینان رکھو گھوڑے اچھے موجود ہیں۔“

ام ابانؑ: کہاں ہیں؟

مریس: یہاں سے ذرا فاصلہ پر

ام ابانؑ: تو کیا ہمیں وہاں تک پیدل چلنا ہوگا؟

مریسؑ: مگر ہاں کچھ زیادہ دور نہیں۔

ام ابانؑ: میں چل سکتی ہوں چلنے سے نہیں گھبراتی مگر.....

مریس: مگر یہ اندیشہ ہے کہ کہیں گرجا کے اندر دالے باہر نہ آجائیں۔

ام ابانؑ: ہاں یہی اندیشہ ہے اور تمہارے پاس تلوار بھی صرف ایک ہی ہے۔

مریس: بے شک تلوار ایک ہی ہے۔ مگر شاید ہمیں تلوار چلاتے کی نوبت ہی نہ آئے
آؤ تیزی سے چلو۔

ام ابانؑ: چلے۔

ابھی دونوں نے چلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔

ام ابانؑ نے کہا: ”یہ کون کرا رہا ہے۔“

مریس: معلوم نہیں

پھر کراہنے کی آواز آئی۔ ام ابانؑ اس طرف چل پڑیں جس طرف سے آواز آرہی تھی۔ مریس

نے کہا کہاں جا رہی ہیں آپ، ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔“

ام ابانؑ: بے شک مگر ایک انسان کی جان بھی کچھ کم قیمتی نہیں ہوتی۔

مریس: مگر وہ عیسائی ہوگا کوئی۔

ام ابانؑ: ہونے دو۔ کیا عیسائی انسان نہیں ہوتے۔ میں اسے دیکھے بغیر یہاں سے

نہیں جا سکتی۔

مجبور ہو کر مریس بھی ان کے پیچھے چلا۔ دونوں اس جگہ پہنچے جہاں کلوس اور اس کے افسروں

نے گرجا کے دربان کو باندھ کر ڈال دیا تھا۔

ان دونوں نے دیکھا کہ وہ بری طرح بندھا پڑا ہے اور اس کے منہ میں جو کپڑا اٹھنسا ہوا

ہے اس سے اسے سوت کی کیفیت ہے عجب نہیں جو ہتھوڑی میں دم گھٹ جائیکی وجہ سے مرجائے۔

ام ابانؑ نے بڑھ کر اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ اس نے اطمینان کا سانس لے کر مشکورانہ

نظروں سے انھیں دیکھا۔

مریس نے کہا: ”یس اب ہرمانی کر کے اسے کھولے گا نہیں۔“

ام ابانؑ: اہل اب اس کے مرنے کا اندیشہ نہیں ہے۔

مریس: اس کے پاس تلوار ہے میں کھولے لیتا ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے تلوار کھول لی۔ اور دونوں لوٹے اور تیز قدمی کے ساتھ ان درختوں

کی قطار کی طرف چلے جو نہر استریاق کے کنارے در تک چلی گئی تھی۔

چونکہ دونوں کو تعاقب کا اندیشہ تھا۔ اس لئے جھپٹ کر چل رہے تھے۔ مریس کا خیال

تھا کہ ام ابان نازک اندام اور نازنین ہیں زیادہ تیز چل سکیں گی۔ لیکن وہ بالکل اس کے ساتھ

ہی ساتھ چل رہی تھیں۔ نہایت تیزی سے دوڑتی ہوئی۔

تیز چلنے کی وجہ سے دوران بخون تیز ہو گیا تھا۔ دوران کے گورے رخساروں پر خون تیز گلابی غارہ پھیر دیا تھا۔ جس سے ان کی صورت نہایت دل فریب ہو گئی تھی۔

پسینہ بھی آگیا تھا اور پسینہ سے رخسار و عارض لیسج کر بالکل ایسے نکھر گئے تھے۔ جس طرح گلاب کا پھول شبنم سے نہا کر نکھر جاتا ہے۔

ان کا سانس پھول گیا تھا اور ناک نتھنے جلد جلد پھوٹنے لگے تھے۔ جو نہایت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

دونوں پلکے چلے جا رہے تھے۔ آخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں کھوس اور اس کے دونوں افر گھوڑے باندھ گئے تھے۔

یہاں پہنچتے ہی سرس نے جلدی سے تلوار کھینچی اور ایک گھوڑے کی گردن اڑا دی۔

ام ابانؑ کو اس کی یہ حرکت نہایت بری معلوم ہوئی۔ انھوں نے کہا: ”تم نے ایک بے زبان جانور کو بلا وجہ کیوں ہلاک کر دیا؟“

سرسؑ: یہ مینوں گھوڑے انھیں تیوری درندوں کے ہیں جو تمہیں گرفتار کرنے گرجا میں گئے تھے۔ ہمیں دو گھوڑوں کی مزدورت ہے۔ اگر یہ تمہیں گھوڑا باقی چھوڑ دیتے تو وہ یا ان میں سے ایک ہمارا تعاقب کرتا اور اب تعاقب کا اندیشہ نہیں رہا۔

ام ابانؑ: مگر تم اس گھوڑے کو کھول دیتے تو اچھا تھا وہ خود کہیں بھاگ جاتا۔

سرسؑ: خیر اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ کیا آپ گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہیں؟

ام ابانؑ: بہت اچھی طرح

سرسؑ: تو آئیے میں آپ کو سوار کر دوں

ام ابانؑ: آپ کی ہر بانی کا شکریہ، میں خود سوار ہو جاؤں گی۔

یہ کہتے ہی وہ گھوڑے کی لگام پکڑ کر رکاب میں پاؤں رکھ کر اچھلیں اور مہابت آسانی سے سوار ہو گئیں۔ سرس نے انھیں وہ تلوار دے دی جو دربان کے پاس سے لایا تھا۔

ام ابانؑ نے تلوار لٹکال۔ اب سرس بھی سوار ہو گیا اور دونوں اجنادین کی طرف چل پڑے۔

چونکہ وہ وہاں سے جہاں ان کے دشمن موجود تھے۔ جلد درنکل جانا چاہتے تھے۔ اس لئے

انھوں نے گھوڑوں کو تیز دوڑایا۔

جب کچھ دور نکل گئے تب ام ابان نے کہا: ”تم کون ہو؟“

سرسؑ: بس یہ سمجھ لیجئے کہ میرا نام سرس ہے۔

ام ابانؑ: تم یہاں کیسے آ گئے؟

ام ابانؑ: کو یہ سن کر اندیشہ ہو کہ کہیں یہ بھی کوئی دغا باز نہ ہو۔ انھوں نے مشکوک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا کر کہا: ”میری تلاش میں تھے۔۔۔۔۔؟“

سرسؑ: جی ہاں۔

ام ابانؑ: کیوں؟

سرسؑ: اس لئے کہ آپ کو ڈھونڈ کر مسلمانوں کے پاس پہنچا دوں۔

ام ابانؑ: تمہیں میری بابت کیسے اور کیا علم ہوا تھا؟

سرسؑ: میں اور میرا بھائی دونوں گرفتار ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے مجھے اس شرط پر رہا کیا کہ میں آپ کو تلاش کر کے، اگر ممکن ہو تو رہائی دلا کر اپنے ساتھ لے چلوں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو آپ کا حال انھیں سنا دوں

ام ابانؑ: اور تمہارا بھائی؟

سرسؑ: اسے مسلمانوں نے بطور یرغمال کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

ام ابانؑ: تمہیں یہ کیسے خیال ہوا کہ وہ بدکار مجھے اس طرف لے آیا ہے۔

سرسؑ: وہ میرے سامنے آپ کو لے کر آیا تھا۔

ام ابانؑ: خدا تمہیں نیکی دے تم نے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔

سرسؑ: احسان ہی کیا ہوتا۔ میرا بھائی قید ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے۔ اس کی

رہائی آپ کو چھڑا کر لے چلنے ہی سے ممکن تھی۔

ام ابانؑ: تم اطمینان رکھو۔ نہ صرف تمہارا بھائی چھڑا دیا جائے گا بلکہ تمہیں تمہاری محنت کا کافی صلہ بھی ملے گا۔

سرسؑ: مسلمان سپہ سالار نے مجھ سے کہہ دیا تھا۔

ام ابانؑ: اور شاید تم اس بات کو خوب جانتے ہو گے کہ مسلمان جو وعدہ جس کسی سے

کریتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔

مریس : اس بات کو ہر عیسائی جانتا ہے اور ہمیں وجہ ہے کہ ہم عیسائی مسلمانوں کی خدمت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ام ابان : مجھے تجربہ ہوا ہے کہ عیسائیوں میں انسانیت بالکل بھی نہیں ہے۔
مریس : کیسے جانا حضور۔

ام ابان : مجھے جو شخص نے کر گیا تھا وہ کلوص تھا۔ اس نے سارے راستہ میرا ساتھ باندھے رکھے اور خلات تہذیب بائیں کرتنا چلا گیا۔ پھر رات کو یہ شخص جو یہ گرجا میں موجود تھا۔ اور جس نے مجھے اپنا نام ارموس بتایا تھا۔ ایک کالا ببادہ اور لٹھ کمر اس پیر کیچھ کی کھال ڈال کر مجھے اٹھالایا اور سارے راستہ میں دق اور پریشان کرتا رہا۔ پھر گرجا میں لایا اور زبردستی مجھے عیسائی بنانے پر آمادہ ہو گیا۔

مریس : گویا آپ عیسائی بننے کے لئے تیار نہ تھیں

ام ابان : کبھی کوئی مسلم لڑکی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کر سکتی۔

مریس : حضور نے سمجھا کہ لوگوں نے کیوں آپ کو تکلیفیں دیں۔

ام ابان : میں نے تو یہ سمجھا ہے کہ ان میں انسانیت اور تہذیب کی کمی ہے۔

مریس : یہ بات نہیں ہے حضور

ام ابان : اور کیا بات ہے ؟

مریس : گستاخی مہات ہو تو عرض کروں

ام ابان : کہو

مریس : حضور کی صورت ایسی دل کش اور پیاری ہے کہ جو بھی دیکھے گا فریقت ہو جائے گا

ام ابان : شرمناک نہیں۔ غالباً انھیں اس وجہ سے غصہ نہیں آیا کہ مریس نے نہایت سادگی کے طور پر اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔

مریس نے کہا : ”حضور آپ کے گرفتار ہو جانے کی وجہ سے ایک نوجوان بہت زیادہ بے چین اور پریشان تھا۔ وہ میرے ساتھ آنا چاہتا تھا۔ مگر سپہ سالار نے اجازت نہیں دی

ام ابان : سمجھ گئی کہ وہ ابن سبیر کا ذکر کر رہا تھا۔ ان کے دل پر چرکا لگا انھوں نے دریافت کیا : ”کہیں وہ نوجوان لڑائی میں زخمی تو نہیں ہو گیا تھا“

مریس : جی وہ لڑا ہی نہیں۔

ام ابان : کیوں ؟

مریس : اس لئے کہ جب تک لڑائی ہوتی رہی وہ بندھا پڑا رہا۔ جب مسلمانوں نے فتح پائی تب اسے رہائی ملی۔ اسے اپنے نہ لڑنے کا بھی بے حد ملال تھا۔

ام ابان کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ مریس ان کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

پھر درجیل کو ام ابان نے کہا : اب تو تھانہ کا اندیشہ نہیں ہے۔

مریس : اندیشہ ضرور ہے مگر ہم کافی دیر نکل آئے ہیں۔ کیوں کیا آپ کچھ تھک گئی ہیں ؟

ام ابان : چوتھوں میں رات بھر نہیں سوئی اس لئے بدن لڑھا پڑتا ہے۔

مریس : اچھا کچھ دور اور چلئے۔ آگے اس کی جگہ آ جائے گی۔

دونوں پھر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دوپہر ڈھلے لگا۔ اب ام ابان زیادہ مضطرب ہو گئیں

مریس نے دیکھا۔ اس نے کہا : میرے خیال میں آپ یہاں کچھ دیر آرام کریں۔ یہ جگہ مناسب ہے

ام ابان : ہاں میں بہت تھک گئی ہوں۔

دونوں گھوڑوں سے اتر گئے۔ یہ جگہ ڈھالدار تھی۔ ددز تک میدان پھیلا ہوا تھا۔ کہیں

کہیں سبزہ بھی اگا ہوا تھا۔

چوتھو یہ میدان ریتلا تھا۔ اس لئے جگہ جگہ چھوٹے بڑے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔

اور ان ٹیلوں پر جھاڑیاں کھڑی تھیں۔

دونوں ایک جگہ کے نیچے درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ جب ذرا پسینہ خشک ہو گیا تب

مریس نے عرق گیر کرتا کر بچھا دیا اور خود وہاں سے ذرا فاصلہ کر کے ام ابان کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا

ام ابان پر گتیں اٹھ پڑے اہم سو گئیں۔ نہایت اطمینان اور آرام سوئی رہیں۔

مریس بیٹھا ہوا ان کی حفاظت کرتا رہا۔ اگرچہ وہ دور بیٹھا تھا، مگر ان کی طرف بار بار

دیکھ لیتا تھا۔

تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس نے اسی راستہ پر جس سے وہ اور ام ابان آئی تھیں۔ غبار اڑتے

دیکھا۔ اسے خوف ہوا کہ کہیں بد قماش کلوص نہ آ رہا ہو۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور غبار کی طرف

دیکھنے لگا۔ اس کے چہرہ سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور دل ہی دل میں دعاؤں مانگنے

لگا۔

کچھ ہی دیر کے بعد اس نے گھوڑے کی سموں کی آواز سنی وہ سمجھ گیا۔ کہ کلوس بالکل ہی قریب آگیا ہے۔

اب اسے خوف اور بھی بڑھ گیا اور فرط خوف سے دل دھڑکنے لگا۔

اس نے پھرام ابان کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک سو رہی تھیں۔

سموں کی آواز قریب سے قریب تیز آتی جا رہی تھی اور جوں جوں آواز قریب آتی جاتی تھی اس کا خوف اور بڑھتا جاتا تھا اور خوف بڑھنے کی وجہ سے دل سینہ میں بیوں اچھل رہا تھا۔ دفعتاً گھوڑے کے سموں کی آواز بند ہو گئی۔ اور وہ بھی گھبرا گیا۔ اسے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں کلوس نے اسے گھوڑوں کو یا ام ابان کو تو نہیں دیکھ لیا۔

ابھی وہ اس فکر و اندیشہ میں تھا کہ ٹیلہ کے اوپر سے کلوس کے قہقہہ لگاتے کی آواز آئی۔ اس نے فوراً ہی سر اٹھا کر ادب دیکھا۔ کلوس عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔

کلوس نے کہا: ”خوب مریں تم ہو۔ اچھا کیا تم نے کہ عربی حور کو پکڑ لیا ہے۔ دیکھو سوتے ہیں بھی کیسی حسین معلوم ہو رہی ہے“

اب مریں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اگشت شہادت منبر پر رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

لیکن وہ ایسا کب تھا کہ اس کا کہنا مان کر چپ رہ جاتا۔ اس نے کہا تمہیں اندیشہ ہے کہ یہ کہیں اٹھ نہ جائے۔ منت ڈرو، اٹھ ہی جائے گی تو میرا جہار کیا لگاڑ سکے گی۔ یہ ایک نازا نغون کم سن دوشیزہ اور ہم دونوں تجربہ کار اور بہادر“

یہ کہتے ہی وہ لوٹا مریں سمجھ گیا کہ وہ دوسری طرف سے نیچے آئے گا۔ وہ اٹھا گھوڑوں کو چھڑ دیا اور آہستہ آہستہ اس طرف چلا جس طرف سے اس کے آنے کا اندیشہ تھا۔

وہ تھوڑی ہی دیر چلا تھا کہ اس نے کلوس کو آتے دیکھا۔ اس وقت وہ گھوڑے سے نیچے اترا ہوا تھا اور اس کی باگ پکڑے اسے کھینچتا آ رہا تھا۔

غالباً وہ اس لئے گھوڑے سے اتر گیا تھا کہ اسے اپنے ٹیلہ کے اوپر سے نیچے اترنا تھا۔

جب وہ نیچے اتر مریں کے بالکل سامنے آگیا تو اس نے کہا: ”مریس! کہاں پایا تم نے اس حور ادا کو“

چوتھے سوال باب

بہادر نازنین

غبار تیزی سے بڑھتا آ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سوار اندھا دھند گھوڑا دوڑاتے اڑا رہا ہے۔

مریس دیکھ رہا تھا اور مضطرب ہو رہا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا تھا۔ اور پریشانی کے عالم میں کبھی غبار کی طرف اور کبھی ام ابان کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں غبار چھٹ گیا اور سوار آہٹا نظر آیا۔ مریں نے پریشانی پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں پر سایہ کیا اور غور سے سوار کو دیکھنے لگا۔

چونکہ سوار اڑا چلا آ رہا تھا۔ اور کسی قدر قریب بھی آگیا تھا۔ اس لئے مریں نے اسے پہچان لیا وہ کلوس ہی تھا۔

اسے دیکھ کر وہ سخت خوف زدہ اور نہایت پریشان ہو گیا۔ اس نے پھرام ابان کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک میٹھی نیند سو رہی تھیں۔

اس نے چاہا کہ بڑھ کر انہیں اٹھا دے۔ لیکن اس کے دل نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ جو ساری رات جاگ رہی ہو۔ اور جس نے سفر میں کافی مشقت کی ہو اسے کچھ نیند میں اٹھا دے اس نے پھر کلوس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت قریب آگیا تھا۔ اس نے افسوس بھرے

لہجہ میں کہا: ”آہ ظالم بد معاش! بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اگر اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا تو ہرزہ لڑنے مرنے کو تیار ہو جائے گا۔ کاش وہ ہمیں نہ دیکھے اور گھوڑے بالکل سامنے ہیں انہیں ہٹا دوں۔“

وہ تیزی سے چلا اور گھوڑوں کی باگ پکڑ کر اسی ٹیلہ کے جس کے نیچے ام ابان سو رہی تھیں دوسری طرف لے جا کر بیٹھ گیا اور دعائیں مانگنے لگا کہ کلوس ان میں سے کسی کو بھی نہ دیکھے اور سیدھا لٹک جائے۔

وہ بیٹھا گھبرا رہا تھا۔ ڈر رہا تھا۔ خاموش بیٹھا ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا۔

مریس : دیر صبح کے قریب ۔

کلوس : لیکن تم دہیں اسے روک کر کیوں نہ کھڑے ہو گئے تھے ۔ شاید تمہیں یہ معلوم تھا کہ میں گر جا کے اندر ہوں ۔

مریس : مجھے معلوم تھا ۔

کلوس : سننے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا : ”معلوم تھا ۔۔۔۔۔؟“
 ماں شاید یہ نہ معلوم ہو گا کہ میں اس پری دوش کو چاہتا ہوں اور اس کے لئے تکلیفیں برداشت کرتا پھر رہا ہوں ۔

مریس : مجھے یہ بھی معلوم تھا ۔

کلوس : پھر تو گویا تم نصدا وہاں نہیں ٹھہرے

مریس : جی ہاں

کلوس : اور وہ اب سمجھا شاید تم بھی اس پر فریفتہ ہو گئے تھے ۔

مریس : میں اس قابل کہاں ہوں حضور

کلوس : آخر تم بھی انسان ہو

مریس : مگر کہاں یہ شیر دل جو راہ اور کہاں میں

کلوس : اچھا پھر تم اس کے ساتھ کیوں چلے آئے ؟

مریس : اس لئے کہ میں مجبور تھا ۔

کلوس : کیا مجبوری تھی ۔

مریس : میں اور میرا بھائی دونوں مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہو گئے تھے ۔ مجھے اس لئے چھوڑا گیا کہ میں اس عربی نازنین کو تکلیف نہ پہنچا دوں اور اس حملہ میں اپنے بھائی کو چھوڑ دوں ۔

کلوس : برا سامنے بنا کر کہا : ”کس قدر احمق ہو تم ۔ ارے بے وقوف اگر تم اس نازنین کو مسلمانوں کے پاس پہنچا بھی دیتے تو کیا وہ تمہیں اور تمہارے بھائی کو رہا کر دیتے ۔

مریس : یقیناً کیونکہ مسلمان وعدہ کو پورا کرتے ہیں ۔

کلوس : غلط خیال ہے تمہارا ۔ خیر اب تم اس پری کو اٹھاؤ اور میرے ساتھ لے جاؤ۔“

مریس نے کسی قدر جرأت کر کے کہا : ”کبھی نہیں

کلوس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا : ”کبھی نہیں ۔۔۔۔۔؟ کیا مطلب ہے اس سے تمہارا ؟“

مریس : یہی کہ میں اسے لیکر آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا ۔

کلوس : شاید تمہارے دماغ میں ابھی وہی ضبط ہے کہ تم اس کے حملہ میں اپنے بھائی کو رہا کرالو گے ۔

مریس : جی نہیں ۔

کلوس : اور

مریس : میں اس رشک فخر سے اپنی بہن جیسی محبت کرنے لگا ہوں ۔

کلوس نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا : ”خوب تم اسے بہن بنانے لگے ہو“

مریس : جی ہاں ۔ بشرطیکہ یہ مجھے اپنا بھائی بنانا منظور کرے ۔

کلوس : بے وقوف کس خیال خام میں چڑ گیا تو ۔

مریس : میں نے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہے ۔

کلوس : مگر میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا ۔

مریس : تم میری زندگی میں نہیں لے جا سکتے ۔

کلوس کو غصہ آگیا ۔ اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا : ”گویا تم مجھ سے لڑتے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

مریس : اگر تم نے پیش دستی کی تو مجھے مجبوراً لڑنا پڑے گا ۔

کلوس کو بے حد غصہ آگیا ۔ اس نے گرجتے ہوئے کہا ۔ ”مک حرام غلام ! تیری یہ جرأت“

مریس : بے شک میں آپ کا غلام تھا ۔ مگر میں نے آپ کی کافی اطاعت کی ہے

اب اگر آپ بدکاری پر آمادہ ہو گئے ہیں تو میں آپ کا شریک نہیں ۔

کلوس نے تلوار نکالتے ہوئے کہا : ”بد معاش ! لے کسنبھل“

فوراً ہی مریس نے تلوار کھینچ لی ۔ اس نے کہا ۔ دیکھئے جوش و غضب میں آکر اندھے

نہ بن جائیے ۔

کلوس غیظ و غضب میں آکر دیوانہ ہو گیا ۔ اس نے کہا : ”ٹھوکر گھر سے جب تک تیرا

سر نہ اڑاؤں مجھے کھانا پینا حرام ہے۔“

ایک دمکش آواز آئی۔ ”مگر تم کبھی اس کا سر نہ اڑا سکو گے۔“

دونوں کچھ ایسے باتوں میں منہمک ہو گئے تھے کہ انھیں کچھ بھی خیال نہ رہا تھا۔ گویا وہ سب کچھ بھول گئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ بھی کہ وہ کہاں ہیں۔ کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنا ہے۔ اب جب کہ آواز آئی تو دونوں نے گھوم کر دیکھا۔ ان سے چند ہی قدم کے فاصلہ پر ام ابان کھڑی غصہ بھری نظروں سے گھوم کر دیکھ رہی تھیں۔

مریس نے جلدی سے گھوم کی طرف پلٹ کر کہا ”زندہ منصات انسان! تو نے اس دوشیزہ کو آرام نہ کرتے دیا۔ اب ناممکن ہے کہ میں تجھے زندہ چھوڑ دوں۔“
گھوم کر اور بھی طیش آیا خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ ہزار جان سے چاہتا تھا۔
مریس نے اس کے سامنے اس کی توہین کی تھی۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔
”اچھا اوکتے کے سنبھل۔“

یہ کہتے ہی مریس کی طرف چھٹا اور اس نے اس پر حملہ کیا۔ اتفاق سے اس پہلے ہی حملہ میں مریس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اور وہ جبران و شمشیر کھڑا رہ گیا۔
گھوم کر دوسرا درکار کرنا ہی چاہتا تھا کہ ام ابان نے کہا۔ خبردار! میرا حملہ روک۔
گھوم کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔
اس وقت انھیں بڑا غصہ آ رہا تھا اور اس غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہو کر اور بھی دہکتا تھا۔

گھوم کر اس نے کہا۔ ”کیا تم سے بھی لڑنے کے لئے تیار ہو۔“

ام ابان: کیوں نہیں

گھوم کر: میں تمہاری تلوار بھی کاٹنے ڈالتا ہوں

یہ کہتے ہی اس نے ان کی تلوار پر اپنی تلوار ماری۔

ام ابان: اگرچہ نازنین اور نازک تھیں۔ لیکن بڑی پھرتیلی تھیں۔ وہ جلدی سے پینتر بدل کر دوسری طرف جا کو دیں۔ اور ابھی گھوم کر بھی نہ پایا تھا کہ انھوں نے اس پر حملہ کیا۔ ان کی تلوار اس کے بالوں پر پڑی اور ہڈی تک گوشت کاٹ گئی۔

اس کی کلائی سے خون کی دھار بہنے لگی اسے بڑا غصہ آیا اور اس نے جھپٹ کر ان پر حملہ کیا۔

ام ابان کے پاس ڈھال نہیں تھی۔ لیکن وہ تلوار چلائی خوب جانتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ اس طریقہ سے تلوار چلائی کہ گھوم کی تلوار ان کی تلوار پر پڑ کر اچٹ گئی۔

اب ام ابان نے پھر حملہ کیا اور پھر تلوار گھوم کے بازو پر پڑی اور کپڑا کاٹ کر گوشت کو کاٹی ہڈی تک جا پہنچی۔

اس دوسرے زخم سے گھوم تھلائے لگا۔ کچھ غصہ اور کچھ زخم کی تکلیف سے دیوانہ ہو کر اس نے پھر حملہ کیا۔

لیکن وہ ابھی ام ابان کے قریب بھی نہ پہنچا تھا کہ مریس نے پیچھے سے آکر ٹوٹی ہوئی تلوار سے اس کے شانے پر زخم لگایا۔

وہ یہ زخم کھا کر چلا اٹھا اور دیوانے کتے کا طرح لوٹ کر مریس پر حملہ آور ہوا۔
مریس اچھل کر دوڑ جا کھڑا ہوا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ لیکن ابھی اس کے پاس پہنچا بھی نہ تھا کہ ام ابان نے دوڑ کر اپنی قوت سے تلوار ماری۔

تلوار گھوم کے سر پر پڑی اور اس کے سر کی دو پھانکیں کرتی حلق تک جا اتری۔
اس نے زور سے چیخ ماری اور گر کر تر پٹنے لگا۔

مریس کو تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی اس نے کہا۔ ”کس قدر پیارا ہاتھ لگایا تم نے ام ابان نے مسکرا کر کہا۔ تمہارا شکریہ بھائی۔“

فرد مسرت سے مریس کی آنکھوں میں آنسو جھٹک آئے۔ اس نے کہا۔ ”کیا میں اس اعزاز کے قابل ہوں۔“

ام ابان: میں نے تمہیں اپنا بھائی بنا لیا ہے

مریس: میں اپنی خوش کنجی پر جس قدر ناز کر دوں کم ہے۔

ام ابان: آؤ اب چلیں، کہیں اس کے ساتھی نہ آ رہے ہوں۔

مریس: بے شک چلو۔

چنانچہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے مریس نے کھوص کی تلوار اٹھالی۔ اس کے گھوڑے کی باگ بھی پکڑ لی۔ اور اجنادین کی طرف روانہ ہو گئے۔

پچیسواں باب

شادمانی

جس وقت صرار دس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ریت کے ٹیلوں کی طرف چلے تو انہوں نے کہا: "زیادہ خوشی تو ہمیں جب ہو جب کہ ہم دشمنوں کے ان دس آدمیوں کے پاس پہنچ جائیں۔ جنہیں وردان نے بھیجا ہے۔"

رافع نے کہا: اگر خدا کو منظور ہے تو ہم مزدوران تک پہنچ جائیں گے۔

ابن سحیہ: آج میرا دل کسی نامعلوم خوشی سے میرے سینہ میں اچھل رہا ہے تمہیں کہہ سکتا۔ کیا خوشی حاصل ہونے والی ہے۔

صرار: دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو ہم دسوں دشمنوں پر چڑھ کر چھپ گئے ہوں گے قابو پا کر دریا کو گرفتار کر لیں گے اور یا مریس ام ابان کی خبر لا رہا ہوگا۔

فیس: میرے دل کو یہ دوسری بات زیادہ لگتی ہے۔

معاذ: میں نے رات خواب میں تمہاری سنگیز کو دیکھا ہے عجیب نہیں جو وہ خود ہی آجائیں

صرار: اگر ایسا ہو تو ہم سب غم و فکر سے نجات پا جائیں۔

مسیب: آؤ دعا مانگیں کہ خدا نے کون و مکان کو ہم سے لاملائے۔

صرار: ٹھیک ہے اکثر رات کی دعائیں مقبول ہو جاتی ہیں۔

سب رک گئے اور انہوں نے ہاتھ اٹھا کر ام ابان کے آنے کی دعائیں مانگیں۔

یوں تو سب ہی دل سے دعائیں مانگ رہے تھے لیکن ابن سحیہ نہایت خلوص اور خصوصاً

دختر سے دعا مانگ رہے تھے۔

دعا مانگ کر یہ پھر چل پڑے

آج ۲۷ جمادی اول سال ۱۰۰۰ھ جمعہ کا دن، چونکہ چاند کسی وقت بھی نہ نکلنے والا نہ تھا اس لئے ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور کچھ اس غصب کا اندھیرا تھا کہ دو قدم کی بھی کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔

یہ دس مجاہدین جو جا رہے تھے انہیں بھی ایک دوسرے کی صورتیں نظر نہ آرہی تھیں۔ محض آواز سے شناخت ہو جاتی تھی کہ کون کون کون رہا ہے۔

آسمان کا رنگ بجائے نیلا ہونے کے سیاہ معلوم ہو رہا تھا۔ اور اس میں ستارے تیر رہے تھے۔

اگرچہ ستارے نہایت آب و تاب سے جگمگا رہے تھے۔ مگر وہ بالکل کرک شب تاب (جگنو) کی طرح چمک رہے تھے اور ان کی ضیا یا روشنی تاریکی کے سیاہ پردوں میں اچھ کر رہ جاتی ہے۔

ہو اساکن اور فضا خاموش تھی۔ اگرچہ یہ لوگ چلتے میں بڑی احتیاط کر رہے تھے مگر پھر بھی ان کے پیروں کی چاپ، کپڑوں کی سرسراہٹ اور ہتھیاروں کی آواز رہ رہ کر بلند ہو رہی تھی۔

جب یہ لوگ نظریں اٹھا کر دیکھتے تھے تو بڑھے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے سیاہ پردہ سا کھینچا نظر آتا تھا۔ اور یہ پردہ کچھ دیکھنے ہی نہ دیتا تھا۔

اس وقت نہ ٹیلے معلوم ہو رہے تھے نہ میدان اور نہ میدان میں کھڑے ہوئے درخت نظر آ رہے تھے۔ سب چیزیں اندھیرے کے سیاہ پردہ میں چھپی ہوئی تھیں۔

چونکہ عیسائیوں کا لشکر ان سے زیادہ فاصلہ پر تھا اور درمیان میں بہت سے ٹیلے حائل تھے اس لئے اس میں جو آگ روشن ہو رہی تھی وہ بھی نظر نہ آتی تھی۔

البتہ لشکر کے اوپر آگ کی روشنی سے کچھ آسمان پر پھیلی ہوئی تھی۔ مگر وہ بھی اتنی ہی دور میں۔ جتنی دور میں آگ روشن ہو رہی تھی۔

ہزار نے کہا: "غضب کی تاریکی پھیلی ہوئی ہے اس وقت"

ابن سعید: جی ہاں۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

مسیب: ہمیں تو وہ ٹیلہ بھی نظر نہیں آ رہا ہے جس کے پاس پہنچنا ہے۔

قیس: ٹیلہ تو ٹیلہ راستہ تک تو نظر نہیں آتا۔

ہزار: ہمارے لئے یہ اندھیرا نہایت غنیمت ہے۔

معاذ: بے شک یہ سچ ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اندھیرے میں بہک کر لشکر

کے قریب پہنچ جائیں۔

ہزار: یہ کیا اندیشہ ہے

معاذ: اندیشہ تو کچھ نہیں مگر ہم جس لہجہ پر جا رہے ہیں۔ وہ ناقام رہ جائیگی۔

ہزار: ہمیں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہیے۔ ہم انسان ہیں، قضا و قدر کے محکوم

سب طرف قدرت چاہے گی لے جائیگی۔

ابن سعید: بالکل یہی بات ہے۔

ہزار: ٹھہرو۔ خاموش رہو، گھوڑوں کے سموں کی آواز آرہی ہے۔ کیا تم

سب بھی سن رہے ہو؟

سب خاموش ہو کر سننے لگے۔ ابن سعید نے کہا: "ہاں گھوڑے آرہے ہیں"

ہزار: شاید وہی لوگ ہیں جنہیں وردان نے چھپنے کے لئے بھیجا ہے۔

مسیب: لیکن زیادہ گھوڑے معلوم نہیں ہوتے

رفع: ممکن ہے انسر گھوڑوں پر ہوں۔

ہزار: یہی خیال ہو سکتا ہے۔ اچھا اب تم خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔

سب بیٹھ گئے قیس نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ٹیلہ سے جس کے پیچھے ہمیں

چاہیے تھا آگے بڑھ آئے ہیں۔

ہزار: نہیں! میرا ایسا خیال نہیں ہے۔

ابن سعید: ہم ابھی اپنے لشکر سے زیادہ دور نہیں آئے ہیں۔ وہ جگہ جہاں ہمیں

پہنچنا ہے ابھی دور ہے۔

مسیب نے پیچھے اسلامی لشکر کی طرف دیکھا۔ تمام لشکر میں آگ روشن ہو رہی تھی۔

انہوں نے کہا: "بالکل ٹھیک ہے۔ اسلامی لشکر بالکل قریب ہے"

ہزار: ذرا ٹھہرو! گھوڑے نہایت قریب آگئے ہیں؟

اگرچہ یہ تمام میدان ریتلا تھا۔ اور ریگ رار ہونے کی وجہ سے زمین نرم تھی۔ سب کے سموں

کی آواز اونچی اٹھ رہی تھی۔ اور اس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے قریب آگئے ہیں۔

یہ سب لوگ نہایت خاموشی سے بیٹھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرف دیکھ رہے

تھے جس طرف سے آواز آرہی تھی۔

مگر اندھیرا کچھ اس غضب کا پھیلا ہوا تھا کہ باوجود غور سے دیکھنے کے بھی کچھ نظر نہ آتا تھا

لیکن کچھ نظر آنے پر بھی یہ سب برابر دیکھ رہے تھے۔

آواز قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی آخر اپنے قریب آگئی کہ یہ معلوم ہونے لگا جیسے

سوار یا گھوڑے ان کے برابر میں آگئے ہوں۔

اب انہوں نے اور بھی غور سے دیکھنا شروع کیا۔ انہیں اندھیرے میں دو سائے

حرکت کرتے نظر آئے۔ وہ اتنے قریب آگئے تھے کہ نظریں جا کر دیکھنے سے صاف نظر آتے

تھے۔

جو تک یہ معلوم نہ تھا کہ وہ دوست ہیں یا دشمن اس لئے سب دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔

آنے والے بھی خاموش چلے آ رہے تھے۔ جب وہ بالکل ہی ان کے قریب آگئے

تب ہزار کھڑے ہوئے اور انہوں نے ڈپٹے ہوئے کہا: "ٹھہرو"

دونوں سوار کچھ گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ ہزار نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ تم کون

ہو۔؟

ایک سرخی آواز آئی: "یا ابن عم! میں ہوں ام ابان؟"

ام ابان: ہزار نے کچھ حیرت اور کچھ مسرت بھرے لہجہ میں کہا اور آنے والے

ام ابانؓ اور مرئیس ہی تھے۔

ام ابانؓ نے کہا: ”جی ہاں ہیں ہوں۔“

مزارؓ نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ ہزار ہزار شکر تم کہیں ابانؓ۔“

ام ابانؓ نے گھوڑے سے اترنے کا ارادہ کیا۔ مزارؓ نے انھیں: ”روکتے ہوئے کہا۔“ نہیں تم بیٹھی رہو۔ یہ دوسرا کون ہے۔

ام ابانؓ: ”مرئیس ہیں جو مجھے چھڑانے کے لئے گئے تھے۔“

مزارؓ: ”اے مرئیس تم نے ہم مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔“

ام ابانؓ کا نام سن کر قیسؓ، ارقمؓ، ابن سبیرؓ اور تمام مسلمان خوش ہو ہو کر ان کی طرف بڑھے۔

یوں تو ان کے آنے سے سب ہی کو خوشی ہوئی لیکن ابن سبیرؓ کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔

باچیس کھلی جا رہی تھیں۔ جوش مسرت سے تمام جسم میں خون تیزی سے دوڑ دوڑ کر دماغ کی طرف بہنے لگا۔

وہ ان کے پاس پہنچے اور چپ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ چونکہ آدنی زیادہ تھے پھر بعض ان میں ایسے تھے

جن کا وہ بہت زیادہ کما کرتے تھے۔ اس لئے گفتگو کر کے اپنے جذبات کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ ادھر

خاموشی سے ہیجان بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ وہ انھیں گھوڑے سے کھینچ کر اپنے سنبہ

سے لگا لیں مگر اس کا موقع نہ تھا۔

وہ دیکھ رہے تھے ان کے روئے تاباں کی طرف باوجود اندھیرا ہونے کے بھی ان کا چہرہ چاند کی طرح

چمک رہا تھا۔

مرئیس نے کہا: ”احسان بھی کیا کیا ہے۔ جو مددہ میں نے کیا تھا اسے پورا کر دیا۔“

ام ابانؓ: ”اور اس شان سے کہ اپنی قوم اور اپنے افسردہ کا مطلق لحاظ د پاس نہ کیا بلکہ حسب عزت

ان سے لڑے بھی۔“

مزارؓ: ”کس قدر شریف انسان ہو تم مرئیس۔ انشاء اللہ ہم تمہیں تمہارے اس احسان کا صلہ دینگے

مگر تم دونوں اس طرف سے کہاں سے آرہے ہو۔“

ام ابانؓ: ”ہم غلطی سے عیسائیوں کے لشکر کو مسلمانوں کا سمجھے اور ادھر چلے گئے۔ لیکن لشکر میں داخل

ہونے سے پیشتر ہمیں اپنی غلطی معلوم ہو گئی اور ہم لوٹ آئے۔ مگر حیران ہوں کہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے۔“

مزارؓ: ”ہم ایک مہم پر جا رہے ہیں۔“

ام ابانؓ: ”مہم پر اور اتنے تھوڑے آدمی؟“

مزارؓ: ”اس کے لئے اتنے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے۔“

ام ابانؓ نے ابھی تک ابن سبیرؓ کو نہیں دیکھا تھا۔ دراصل اندھیرا ہونے کی وجہ سے کسی کو بھی نہ پہچان سکی تھی۔ انھوں نے کہا: ”میں بھی چلوں آپ کے ساتھ۔“

مزارؓ: ”نہیں تم تھکی ہوئی ہو۔ لشکر گاہ میں جا کر آرام کرو۔ تمہارے گرفتار ہو جانے سے سب کو رنج و غم نے دل شکستہ کر رکھا ہے۔“

ام ابانؓ: ”یہ آپ کے ساتھ اور کون کون ہیں؟“

مزارؓ نے سب کے نام سنا دیے۔ جب ابن سبیرؓ کا نام انھوں نے سنا تو ان کا دل فرط

خوشی سے اچھلنے لگا۔ انھوں نے کہا سب سے میرا سلام تو کہہ دیجئے۔

سب نے انھیں دعا دی۔ مزارؓ نے کہا۔ اب تم جاؤ۔ اگر زندگی ہے تو صبح ملیں گے۔

ام ابانؓ: ”خدا تمہاری حفاظت کرے اور خیریت سے واپس لائے۔“

انھوں نے اور ان کے ساتھ مرئیس نے گھوڑے بڑھائے اور اسلامی کیمپ کی طرف

ردانہ ہو گئے۔

مزارؓ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر دینی کیمپ کی طرف بڑے ابن سبیرؓ بھی اپنے دل

پر مبرک کے اور اسے طرح طرح سے تسلی دیتے ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

پہلی کامیابی

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رات اندھیری تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک سیاہ پردہ تھا جو آنکھوں کے سامنے کھینچا ہوا تھا۔ اور اس پردہ میں ساری چیزیں چھپی ہوئی تھیں۔ یہ شیران اسلام نہایت خاموشی اور احتیاط سے چلے جا رہے تھے۔ کچھ دور چل کر وہ ایک ٹیلہ کے پاس پہنچے۔ یہاں پہنچ کر وہ رک گئے اور انھوں نے اپنے لشکر کی طرف دیکھا۔ ان کے لشکر میں آگ روشن ہو رہی تھی۔ انھوں نے اس طرف دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ اس ٹیلہ کی طرف آگئے ہیں جس پر وردان نے گفتگو تجویز کی ہے۔

انھوں نے دور سے دن میں دیکھا تھا کہ اس طرف بہت سے ٹیلے شمالاً جنوباً پھیلتے چلے گئے تھے۔ ہزار نے یہاں پہنچ کر کہا: ”ہم جائے مفقود کے قریب آگئے ہیں۔ اب ہمیں زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔“ قیسؓ: ”ہم کافی احتیاط کرتے آرہے ہیں۔“

ہزارؓ: ”بے شک مگر ابھی اور احتیاط کی ضرورت ہے۔“

ارفعؓ: ”ہمیں پیوں کے بل چلنا چاہیے۔ تاکہ قدموں کی آواز بلند نہ ہو۔“

ہزارؓ: ”ہمیں یہی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ عیسائی کہیں قریب ہی چھپے ہوں گے۔ میں

نہیں چاہتا کہ انھیں ہماری موجودگی کا علم ہو جائے۔“

مسیبؓ: ”ٹھیک ہے اگر انھیں معلوم ہو گیا تو ہماری کوششیں بیکار ہو جائیں گی۔“

ہزارؓ: ”یہی بات ہے۔“

اب یہ اس ٹیلہ کے نیچے سے گزر کر آگے بڑھے۔ چونکہ یہ لوگ لشکر کے قریب آگئے تھے اس لئے اب انھیں ردی کیپ میں جو آگ روشن تھی نظر آنے لگی تھی۔

یہ سب کمال احتیاط سے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ چلتے چلتے اس بڑے ٹیلہ کے نیچے جا پہنچے جس پر ملاقات ہونا تجویز ہوئی تھی۔

ہزارؓ نے کہا: ”تم سب اسی جگہ ٹھہر جاؤ میں ذرا اس ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھ آؤں۔“

ابن سعیدؓ نے کہا: ”مگر آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں ہے۔“

ہزارؓ: ”کچھ اندیشہ نہ کرو خدا میری مدد کرے گا۔“

ارفعؓ: ”لیکن اگر آپ ایک آدمی کو اور ساتھ لے جائیں تو کیا ہرج ہے۔“

ہزارؓ: ”ممکن ہے عیسائی اسی ٹیلہ پر ہوں۔ اگر ہم دو جا میں گئے تو کافی احتیاط کرنے پر بھی شاید

وہ غبار ہو جائیں۔ اسی لئے میرا تنہا ہی جانا مناسب ہے۔“

قیسؓ: ”اور اگر آپ کا ان سے سامنا ہو گیا۔“

ہزارؓ: ”یہ تو میری عین تمنا ہے مگر مجھے یقین نہیں ہے۔“

ارفعؓ: ”اور اگر ایسا اتفاق سے ہو گیا تو آپ کیا کریں گے؟“

ہزارؓ: ”جیسا موقع ہو گا کروں گا تم سب یہیں ٹھہر جاؤ۔“

بہتر ہے۔“ سب نے کہا اور ٹیلہ کے نیچے ریت پر بیٹھ گئے۔

ہزارؓ ٹیلہ کے اوپر چڑھنے لگے۔ ایک تو اندھیرا تھا۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دوسرے ریت ٹیلہ تھا

جہاں پر رکھتے تھے پھسل جاتے تھے۔“

مگر کچھ تھوڑی سی جدوجہد کرنے سے وہ ٹیلہ کے اوپر پہنچ گئے۔ انھوں نے ایک جگہ کھڑے ہو کر

آہٹ لی۔ کان لگائے سنتے رہے جب دیر تک کوئی آواز نہ آئی تب آگے بڑھے۔

یہ ٹیلہ کافی لمبا اور چوڑا تھا۔ اس پر کئی ہزار آدمی آسکتے تھے۔ انھوں نے اس کے بیچ میں

پہنچ کر آسمان کی طرف دیکھا

اگرچہ آسمان اپنی مخصوص جگہ پر کافی دور تھا۔ لیکن سطح زمین سے تھوڑا ہی اونچا ہونے سے انھیں

آسمان نیچا نظر آیا ۔

ستارے نہایت آب و تاب سے چمک رہے تھے ۔ نہایت ہی خفیف ہوا کے جھوٹے چل رہے تھے ۔ انہوں نے ردی لشکر کی طرف دیکھا ادھر خاموشی چھاٹی تھی ۔

وہ وہاں سے نیچے اتر آئے ۔ نیچے اترنے میں ان سے غلطی ہو گئی اور اس غلطی کی وجہ سے پیر پھسل گیا ۔ پیر پھسلنے ہی وہ لڑھکے لگے اور نیچے آکر قیسن کے سر پر گرے ۔

قیسن گہرا کرکھڑے ہو گئے ۔ انہوں نے ایسی آواز سے جسے وہ پست کرنا چاہتے تھے ۔ مگر جو بلند ہوئی جاتی تھی کہا : ” یہ کیا ہے ۔ تم کون ہو ؟ ”

حزرائے اٹھتے ہوئے کہا : ” کوئی نہیں میں ہوں قیسن ۔ مجھ سے غلطی ہو گئی اور پھسل کر تمہارے اوپر آن پڑا ”

وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے اوپر کپڑے جھاڑتے ہوئے کہنے لگے ۔ اس ٹیلہ کے کنارے کچھ ایسا پھسلواں ہے کہ باوجود کافی احتیاط کے بھی پیر پھسل ہی گیا ۔

ابن سعید : چونکہ اندھیرا ہے اس لئے ایسا ہوا ۔

حزرائے : یہی بات ہے ۔

ابن سعید : کیا دیکھا آپ نے ؟

حزرائے : ٹیلہ کے اوپر کوئی نہیں ہے ۔ نہ اس کی دوسری طرف کوئی معلوم ہوتا ہے ۔

سعید : میرے خیال میں وہ کہیں دور چھپے ہوں گے ۔

حزرائے : یہی میرا خیال ہے ۔

ابن سعید : لیکن ہمارا بھی اس ٹیلہ کے نیچے رہنا مناسب نہیں ۔

حزرائے : یہی میں بھی خیال کر رہا ہوں ۔ تم اس جگہ ٹھہرو میں جا کر کوئی مناسب جگہ چھپنے

کی تجویز کر آؤں ۔

قیسن : بہتر ہے مگر ذرا احتیاط رکھئے گا ۔ اب ہر قدم پر عیانیوں کا سامنا ہو جانے کا

اندیشہ ہے ۔

حزرائے : تم یہ سمجھتے ہو ۔ احتیاط رکھوں گا ۔

حزرائے روانہ ہوئے ۔ اب انہوں نے اس ٹیلہ کے جنوب کی طرف چلنا شروع کیا ۔ اس ٹیلہ سے بڑھ کر وہ میدان میں پہنچے اور اسے طے کرنے لگے ۔

چونکہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا ۔ اس لئے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ ۔ یہ میدان کتنا لمبا ہے اور کتنی دور کوئی اور ٹیلہ ہے ۔

وہ چلتے رہے ۔ یہاں تک کہ ایک اور ٹیلہ آگیا ۔ وہ اس ٹیلہ کے نیچے ہی نیچے چلنے لگے ۔ جب وہ اس طرف پہنچے جس طرف ردی لشکر تھا ۔ تو انہیں ایسے سانسوں کی آواز آئی جیسے

بہت سے آدمی سو رہے ہیں ۔ انہوں نے جوتے اتار لئے اور بچہ کے بل چلنے لگے ۔ کچھ ہی دور چلے تھے کہ انہوں نے کئی عیانیوں کو ریت پر پڑے سوتے دیکھا ۔

وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو وردان کی مدد کرنے اور خالد کو گرفتار کرنے کیلئے بھیجے گئے ہیں ۔

اس وقت رات نصف کے قریب آگئی تھی ۔ رات کا قدرتی سکوت ہر طرف پھیلا ہوا تھا کائنات خاموش تھی ۔ لیکن ستارے اب بھی آسمان میں آنکھ پھولی کھیل کھیل کر مہنس رہے تھے ۔

حزرائے نہایت آہستگی سے چل کر ان کے بالکل قریب پہنچ گئے ، انہوں نے تلواریں میاں سے کھینچ لی ۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر فوراً ہی میان میں ڈال لی اور انہیں شمار کرتے لگے ۔

وہ کل دس آدمی تھے ۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں وردان نے چھایا ہے

وہ جس آہستگی سے گئے تھے اس سے زیادہ آہستگی سے واپس لوٹے اور جب ان سے

ذرا فاصلہ پر آگئے تو جوتے پہن کر تیزی سے چلے اور مسلمانوں کے پاس آئے ۔

قیسن نے کہا : ” کہیں دور چلے گئے تھے کیا آپ ؟ ”

حزرائے : ہاں میں دو چلا گیا تھا ۔ مبارک ہو ”

ابن سعید : کیا عیانیوں کو دیکھ آئے ہیں آپ ؟

حزرائے : ہاں

ابن سعید : کہاں ہیں وہ ؟

حزرائے : یہاں سے قریب ہی ایک دوسرے ٹیلہ کے نیچے ۔

مسیبؓ : جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں ؟

مزارؓ : غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہیں ۔

قیسؓ : پھر کیا ارادہ ہے ؟

مزارؓ : جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے تلوار کھینچ لی اور چاہا قتل کرنا شروع کر

دون مگر ۔۔۔۔۔

ارفعؓ : مگر اس وجہ سے رک گئے کہ کہیں وہ بیدار ہو کر شور نہ کرنے لگیں ۔

مزارؓ : خدا کی قسم اسی خیال سے رک گیا ۔

ارفعؓ : لیکن اگر ہم سب چلیں ۔

مزارؓ : تو یقیناً مار ڈالیں گے اور وہ اٹھ کر غل نہ مچانے پائیں گے ۔

سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے قیسؓ نے کہا ” تو چلئے “

مزارؓ : اس طرح نہیں ۔ کیونکہ ہمارے کپڑوں ، جوتوں اور ہتھیاروں کی آواز سے

شاید اٹھ جائیں ۔

ابن سعیدؓ : اور کس طرح ؟

مزارؓ : جوتے ہتھیرا اور کپڑے سب اتار لو صرف ایک تلوار پہنے رہو اور ایک ایک

تلوار لے لو ۔

” مناسب ہے “ سب نے کہا اور جوتے ، کپڑے اور ہتھیار اتار کر رکھ دیئے

صرف ایک ایک تلوار ہاتھ میں رہتے ہی ۔

مزارؓ نے کہا ۔ ” اب چلو “

اب یہ سب چلے ۔ جب میدان کو طے کر کے دوسرے ٹیلہ کے قریب پہنچے تو مزارؓ نے

کہا ” دیکھو اب پنجوں کے بل چلنا “

قیسؓ : بہت اچھا ۔

مزارؓ : سانس بھی زور سے لینا

ابن سعیدؓ : ایسا ہی کریں گے ۔

مزارؓ : ہم میں سے ہر شخص ایک عیسائی کے سر کے قریب کھڑا ہو جائے اور ایک ساتھ

سب کو مار ڈالا جائے ۔

زفرؓ : ایسا ہی ہوگا ۔

مزارؓ : اچھا آؤ ۔

یہ لوگ کمال احتیاط اور خاموشی سے بڑھے ۔ ہر شخص ہر ممکن احتیاط کر رہا تھا ۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں عیسائی پڑے غفلت کی نیند سو رہے تھے ۔ ان کے ہتھیار

ڈھالیں اور جوتے ان کے پاس رکھے تھے اور وہ دردیاں پہنے پڑے خواب شیریں کے بنے

لے رہے تھے ۔

مسلمان کمال احتیاط کے ان کے سروں پر چاکھڑے ہوئے اور سب نے تلواریں اٹھا اٹھا کر

ایک ساتھ فار کئے ۔ ایک ہی تلواریں بجلی کی طرح چمکتی ہوئی اٹھیں ، جھکیں اور عیسائیوں کے سروں

کو کاٹ گئیں ۔

بعض کسی آواز اور شور و غل کے ان سب کا خاتمہ ہو گیا ۔ مسلمانوں نے اس پہلی کامیابی پر خدا کا شکر

ادا کیا ۔

اب مزارؓ نے کہا ” ان کی لاشوں پر ریت ڈال کر چھپاؤ ۔ مگر ان کی وردیاں اتار لو “

سب لیٹ گئے ۔ اور ان کی وردیاں اتار کر انہیں ریت ڈال ڈال کر چھپائے گئے ۔

بہت جلد وہ اس کام سے فارغ ہو گئے ۔ اب مزارؓ نے کہا ” آؤ واپس چلیں ۔

یہ سب لوٹے اور اسی جگہ آئے جہاں اپنے کپڑے اور ہتھیار وغیرہ رکھ گئے تھے ۔ انہوں نے

کپڑے پہنے اور ان پر عیسائیوں کی وردیاں پہن لی ۔ ہتھیار لگائے اور اس طرح مسلح ہو کر اسی ٹیلہ کی

طرف چلے جس کے نیچے عیسائی سو رہے تھے اور جنہیں انہوں نے مار ڈالا تھا ۔

والے پہنچ کر وہ اس جگہ سے ذرا فاصلہ پر ریت کے اوپر لیٹ گئے اور صبح کا انتظار کرنے لگے ۔

جب مسلمان صفیں مرتب کر رہے تھے تو عیسائی بھی میدان میں نکل کر کھڑے ہونے اور صفیں قائم کرنے لگے۔

چنانچہ جب مسلمان صف بندی سے فارغ ہوئے تو اسی وقت عیسائی بھی فارغ ہو گئے۔ ابھی صفیں قائم ہوئے کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ عیسائیوں سے ایک عیسائی نکل کر اسلامی لشکر کی طرف بڑھا۔

مسلمانوں نے اسے دیکھا اور اس کی طرف دیکھتے رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خالدؓ کے قریب آکر رکا۔ اس نے کہا: ”میں سپہ سالار سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“ خالدؓ بڑھ کر اس کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا: ”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ عیسائی: ”کیا آپ نے کل یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہمارے بادشاہ سے گفتگو کرنے کے لئے آپ آئیں گے؟“

خالدؓ: ”کیا تھا اور میں اس پر قائم ہوں۔“

عیسائی: ”مگر آپ نے تو اپنے لشکر کو جنگ کے لئے ترتیب دیا ہے۔“ خالدؓ: ”یہ محض اس لئے کہ اگر تمہارے بادشاہ نے میرے ساتھ کسی شریک کرنے کا ارادہ کیا تو یہ لشکر فوراً حملہ کر دے گا۔“

عیسائی: ”مگر آپ اطمینان رکھیں کہ ہم عیسائی شریک نہیں دیا کرتے۔“

خالدؓ: ”تم اپنے بادشاہ سے کہو کہ وہ آئے میں بھی آ رہا ہوں۔“

عیسائی: ”بہت خوب۔“

وہ گھوڑا دوڑا کر چلا۔ اب خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کو بلایا۔ جب وہ آگئے، تو انھوں نے کہا۔ یہ علم لیجئے اور یہاں کھڑے رہ کر میدان جنگ کی طرف دیکھتے رہیں۔ اگر میں نعرہ لگاؤں تو تمام کو بڑھا کر دو میوں کے لشکر پر حملہ کر دیجئے۔

ابو عبیدہؓ: ”بہت اچھا“

انھوں نے علم لے لیا اور خالدؓ نے اپنا گھوڑا اسی ٹیلہ کی طرف چھوڑ دیا۔ جس پر ملاقات ہونا طے ہوا تھا۔

ستائیسواں باب

بکروخت کا انجام

خالدؓ، مزارؓ اور ان کے ساتھ نو مسلمانوں کو رخصت کر کے کچھ رات گئے، تک قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہے جب آدھی رات گزر گئی تب انھوں نے دعا مانگی کہ اے خدا۔ اے کمزوروں کی امانت کرنے والے ہم تجھ سے اور صرف تجھ سے ہی پوچھتے ہیں۔ تیرے اس مذہب پر جسے تو نے پسند کیا، قائم ہیں ہماری مدد کر اور ہمیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھ۔ ہمارے ان بھائیوں کی جو میدان جنگ کی طرف گئے ہیں حفاظت کر۔“

یہ دعا مانگ کر وہ لیٹ گئے، چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اس لئے تھوڑی دیر میں سو گئے۔ صبح جب اٹھے تو اذان کا وقت ہو گیا تھا۔ اٹھتے ہی ضروریات سے فراغت کی وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لئے میدان میں جہاں مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے، پہنچ گئے۔ ان سے پہلے بہت سے لوگ آچکے تھے۔ کچھ لوگوں نے مل کر اذان دی۔

اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان عورتیں، مرد بچے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کرنے لگے۔

وضو کر کے عورتیں اور بچے سارا پردہ میں نماز پڑھنے لگے۔ اور مردوں نے جماعت سے مل کر نماز پڑھی نماز سے فارغ ہوتے ہی خالدؓ نے انھیں مسلح ہو کر میدان جنگ میں نکل کر صف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان اپنے اپنے خیموں کی طرف دوڑ گئے اور جلد جلد مسلح ہو کر میدان جنگ میں پہنچنے اور صف بستہ ہونے لگے۔

تھوڑی دیر ہی میں ہر مسلمان میدان جنگ میں پہنچ کر گزشتہ روز کی طرح صفوں میں کھڑا ہو گیا۔ سب کے بعد حضرت خالدؓ آئے۔ ان کے ہاتھ میں اسلامی علم تھا۔ وہ لشکر سے آگے نکل کر

ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انھوں نے وردان کو اپنے لشکر سے نکل کر ٹیلے کی طرف بڑھتے دیکھا۔

اس وقت وردان چاندی کی زرہ بکتر اور اس پر ریشمی لباس پہنتے تھا۔ سر پہ تاج تھا اور گلے میں بیش قیمت آبدار موتیوں اور لعلوں کا ہار تھا۔ بازوؤں پر طلائی بازو بندھنے لگے تھے۔ اس کا لباس تاج، زیورات اور ہتھیار سب دھوپ میں چمک رہے تھے۔

چونکہ یہ دونوں ٹیلے کی طرف بڑھ رہے تھے اس لئے ایک ہی وقت میں ٹیلے کے پاس پہنچ گئے۔ دونوں گھوڑوں سے اترے اور ٹیلے کے اوپر چڑھ گئے۔

وردان نے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک ریشمین مندر چبھائی اور اس پر تلوار کا سہارا کر بیٹھ گیا۔

خالد بن ریت پر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ انھوں نے کہا: ”کہئے آپ نے کیا سوچا اور طے کیا ہے؟“

وردان نے کہا: ”کسی طرح خون ریزی بند ہو جائے۔“

خالد: ”اور میں دل سے یہ چاہتا ہوں،“

وردان: ”تو پھر صلح ہونے میں کوئی بھی دقت نہیں ہے۔“

خالد: ”تو فرمائیے آپ کون سی شرط قبول و منظور کرتے ہیں؟“

وردان: ”تمہاری تمام شرائط نہایت سہولت ہیں۔“

خالد: ”پھر صلح کیسے ہو سکتی ہے؟“

وردان: ”میں نے جو بات کہی ہے اسے منظور کر لو۔“

خالد: ”کیا ہے۔“

وردان: ”یہی کہ میں تمہارے ہر سپاہی کو ایک دینار، ایک تھان ریشمین ایک عمامہ دوں گا اور انہیں دس تھان ریشمین دس عمامے اور سو دینار دوں گا۔ اور تمہارے بادشاہ کو جسے تم خلیفہ کہتے ہو۔ سو تھان، سو عمامے اور ایک ہزار دینار دوں گا۔“

خالد: ”ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مع تمام

لشکر کے مسلمان ہو جائیں۔ اس صورت میں آپ ہمارے بھائی بن جائیں گے۔ اور پھر کوئی وجہ نزاع ہی باقی نہ رہے گی۔“

وردان نے بگڑ کر ذرا بلند آواز سے کہا: ”میں ہرگز اس شرط کو پوری نہیں کر سکتا۔“

خالد: ”تو سپر کا خون بہا ادا کیجئے اور ہر قل اعظم سے کہیئے کہ وہ معافی مانگیں۔“

وردان: ”ایسا عظیم المرتبت بادشاہ مجھ کے ننھے عربوں سے معافی مانگے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔“

خالد: ”تو ہماری اطاعت قبول کیجئے اور جبریہ دیکھئے۔“

وردان: ”ایسی دلت ایک معمولی شخص بھی برداشت نہیں کر سکتا۔“

خالد: ”بس تو تلوار ہمارے قہار سے درمیان فیصلہ کر دے گی۔“

وردان: ”تمہیں اپنی بہادری اور تلوار پر بڑا غرور ہے۔ تمہارا یہ غرور مٹا دیا جائے گا۔“

خالد: ”ہم مظلوم ہیں۔ ہمارے سفیر کو تم نے قتل کر کے جنگ کی دعوت دی ہے۔ مظلوموں کی حمایت خدا کی کڑی ہے۔ ہمیں خدا کی مدد پر بھروسہ ہے ہم مغرور نہیں ہیں۔“

وردان: ”اگر ایک شخص مارا گیا تو کیا اس کا انتقام لینے کے لئے تم دنیا بھر کا خون کڑا لو گے؟“

خالد: ”تم نہیں جانتے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اگر ایک بھائی مارا گیا تو کیا اس کے وہ بھائی جو زندہ ہیں اس کا انتقام نہ لیں گے۔ ضرور لیں گے۔ خواہ ہم مٹ جائیں یا تمہیں مٹا دیں۔“

وردان نے ہنس کر کہا: ”ہمیں مٹا دو۔۔۔۔۔؟؟؟ بیوقوف انسان! یہ لشکر جو تم دیکھ رہے ہو تم سے کہیں زیادہ ہے۔ یہی اول تو تمہیں مسل کر رکھ دے گا۔ اور اگر کسی وجہ سے تم اسے شکست دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو ایسے ایسے لشکر آئیں گے اور بالآخر تمہارا نام و نشان مٹا کر چھوڑیں گے۔“

خالد نے کسی قدر جوش میں آ کر کہا: ”قوت و طاقت پر گھنٹہ کرنے والے مغرور انسان

انشاء اللہ ہم ان تمام لشکروں کو مٹا ڈالیں گے جو ہمارے مقابلہ میں آئیں تو اس قدر چیر چیر کر

ہاتیں کر رہا ہے۔ شاید تو نے کسی فریب کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ لیکن سن! اگر تو نے فریب

وردان نے انہیں دیکھتے ہی کہا: ”بچاؤ آہ مجھے اس شیطان سے بچاؤ“
خالد نے اعلان کے لیے میں کہا: ”میری تمہارے بیٹے کے قاتل ہیں۔ اور یہی تمہیں قتل
کریں گے۔“

مزار: اے اشعار پڑھتا شروع کئے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا: سَاطِقُ وَرْدَانُ بِحُكْمَانِ

قریب ہے کہ میں وردان کو حیران سے ملا دوں

وَإِنِّي سَاطِقٌ عَمَّا الْاِدْنَانِ

اور میں اس کے پاس بھیجوں گا۔

وردان کانپ رہا تھا اور مزار کو حیرت اور یاس بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

مزار نے اس کے پاس پہنچتے ہی حملہ کیا اور ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔

انہوں نے فوراً اس کا لباس، زرہ، تاج، زیورات اور ہتھیار سب لے لئے اور اس کا

سر نیزہ پر اٹھا کر کہا: چلئے اب بزدل رومیوں پر حملہ کریں؟

خالد نے کہا چلو۔ اور زور سے الشراک کا نعرہ لگایا۔ مزار اور ان کے ہمراہیوں نے

بھی اس نعرہ کی تھوڑی اور ٹیلہ سے نیچے اتر کر رومیوں کے لشکر کی طرف چلے۔

کیا ہے تو تجھ پر ہی لوٹے گا۔ تو ہی اس کا شکار ہوگا۔ تو ہی خود اپنے فریب میں گرفتار ہو
کر مارا جائے گا۔

وردان براہِ جست و خیز کرتا ہوا تھا۔ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: ”اؤ رومی
شیر اؤ اور اس بد زبان کا سر اڑا دو۔“

یہ کہتے ہی وہ چھٹا اور اس نے خالد کے دونوں مونڈھے پکڑ لئے۔

وہ کھڑا تھا اور خالد بیٹھے تھے پھر بھی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ لگا کر اس کے

بازو پکڑے اور اسے پیچھے کی طرف دھکیلنے لگے۔

وردان بھی طاقت ور اور گراں دلی تھا۔ اس نے اپنا سارا زور صرف کر رکھا تھا۔ خالد بھی

زور لگا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں دس آدمی جو رومی لباس پہنے ہوئے تھے دوڑ کر آتے ہوئے نظر آئے

انہیں دیکھتے ہی وردان نے شور مچا کر کہا: ”اؤ جلدی اؤ شکار قلعہ میں آگیا ہے۔“

خالد نے بھی انہیں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ انہیں تعجب ہوا کہ رومی تو آ رہے ہیں اور

مسلمانوں کا کہیں پتہ نہیں۔ پھر بھی گھبرا ئے نہیں بلکہ اور بھی زور قوت سے وردان کو دھکیلنے لگے۔

وردان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے کہا: ”فضول نہ کر رہے ہو۔ اب تم ناممکن

ہے کہ تم زندہ بچ جاؤ۔“

خالد: مگر مجھے یقین ہے کہ خدا میری حفاظت کرے گا۔

وردان نے ہنس کر کہا: ”بلاؤ اپنے خدا کو۔ اس خدا کو جس کو تم پوجتے ہو۔“

بھاگ کر آئے دالے ٹیلہ پر چڑھ آئے تھے ان میں سے ایک نے کہا: ”اؤ خدا کے منکر

دیکھ: خدا نے اپنی مدد بھیج دی۔“

اب وردان نے ان آئے والوں کو دیکھا۔ یہ سب عرب تھے۔ مزار اور ان کے ساتھی

وہ رومی لباس پہنے ہوئے تھے انہیں رومیوں کا جہیز انہوں نے قتل کیا تھا۔

وردان انہیں دیکھتے ہی سست پڑ گیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ جسم کا پتہ نہ لگا۔

سب سے آگے مزار ہرن کی چال سے چوڑی بھرتے آ رہے تھے۔

اٹھا بیسواں باب

مسلمانوں کی عظیم النظیر جرأت

رومیوں کا لشکر فاصلہ پر کھڑا ہوا نہایت غور سے اس واقعہ کو دیکھ رہا تھا جو ٹیکر پر ہوا تھا۔ چونکہ مسلمان رومیوں کا لباس پہننے ہوئے تھے اس لئے تمام عیسائی دور کھڑے انھیں رومی ہی سمجھتے رہے اور جب مسلمان وردان کا سر نیزہ پر چڑھا کر ان کی طرف چلے تو انھوں نے سمجھ لیا کہ ان کا بادشاہ مسلمانوں کے سپہ سالار خالد کا سر کاٹ کر اور نیزہ پر چڑھا کر لارہا ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی انھوں نے خوش ہو کر تباہیاں بجاائیں، ٹوپیاں، اچھالی شروع کر دیں بلکہ پیدل پلٹنوں میں سے اکثر لوگ تو اچھلتے اور کودنے لگے۔ سوار بھی طرح طرح کی حرکتیں کرنے لگے تھے۔

سب خوش ہو رہے تھے، نہایت خوش، شور مچا رہے تھے۔ طرح طرح کے نعرے لگا رہے تھے۔ اچھل کود رہے تھے۔ ہاجے بجا رہے تھے۔

خالد اور مزار دوڑوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔ خالد اپنے گھوڑے پر مزار وردان کے گھوڑے پر باقی لوگ ان کے پیچھے چل رہے تھے۔

جوں جوں یہ رومیوں کے قریب ہوتے جاتے تھے۔ رومی اور بھی شور مچاتے، اچھلتے کودتے اور ناچتے تھے۔

آخر یہ لوگ ان کی صفوں کے قریب جا پہنچے اور خالد اور مزار نے ہاتھ اٹھا کر انھیں خاموش کیا۔ وہ خاموش ہو کر حیرت سے خالد کو دیکھنے لگے۔

اگرچہ تمام لوگ خالد کو نہ جانتے تھے مگر وہ اپنے قومی لباس میں تھے اس لئے انھیں یہ حیرت تھی کہ یہ عرب کون ہے۔

جب وہ چپ ہو گئے تو خالد نے بلند آواز سے کہا: "عیسائیو! یاد رکھو جو کس کے ساتھ قریب کرنا ہے وہ خود ہی قریب کا شکار ہو جاتا ہے۔ تمہارے بادشاہ وردان نے مجھے اور تمام مسلمانوں کو قریب دینا چاہا تھا۔ خدا نے اسی خدا نے جس کی پرستش ہم مسلمان کرتے ہیں اس کا قریب اس پر لٹ دیا اور وہ مار گیا۔ دیکھو میں خالد ہوں ولید کا بیٹا۔ جو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کے نام سے مشہور ہے۔ وہ خالد جس نے تلوار کی مدد سے تمہارے بہت سے شہر اور قلعے فتح کر لئے اور لشکروں اور سرداروں کو مار ڈالا ہے۔ یہ تمہارے بادشاہ کا ناپاک سر ہے۔ اسے دیکھو پہچانو اور اس کی حماقت پر افسوس کرو!"

یہ کہتے ہی انھوں نے مزار سے وردان کا سر لے کر گندگی کی طرح رومیوں کی طرف پھینکا۔ رومی سرداروں نے سراٹھایا، پہچانا اور رونا شروع کر دیا۔

اس عرصہ میں مزار اور تمام مسلمانوں نے رومیوں کے کپڑے اکار اکار کر پھینک دیئے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا پُر شور نعرہ لگایا۔

رومیوں کی آنکھیں غرغریلا و غضب سے سرخ ہو رہی تھیں۔ انھیں بادشاہ کے مارے جانے سے بڑا غصہ آ رہا تھا۔ اوہ وردان کے قاتل ان کے سامنے کھڑے تھے اور وہ گنتی کے چند مسلمان تھے۔ ان باتوں نے انھیں جوش و غیرت دلائی اور وہ تلوار سونت سونت کر ان گیارہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

ان مسلمانوں نے اپنا ایک گردہ بنا کر بیضاوی دائرہ قائم کر لیا اور ایک ہاتھ میں ڈھالیں اور ایک ایک میں تلواں لے لے کر ان کے حلوں کا جواب دینے اور انھیں قتل کرنے لگے۔

جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں فریق جوش و غضب میں بھر بھر کر ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے خون کے فوارے اچھلتے لگے۔ ہاتھ پیر، سر اور دھڑکٹ کٹ کر گرنے لگے۔ شور و پکار سے تمام میدان بلکہ دور تک کی فضا گھرنے لگی۔

چونکہ مسلمان بہت ہی تھوڑے تھے۔ اس قدر تھوڑے کہ ان کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ عیسائی

انہوں نے جلدی جلدی چلے کر کے آٹھ دس آدمیوں کو مار ڈالا۔
اب مزار نے کپڑے اتار کر گھوڑے پر ڈال دیئے اور تلوار اٹھا کر زور شور سے حملے شروع کر دیئے۔

رومی دیکھ اور جان رہے تھے کہ وہ صرف گیارہ آدمیوں سے لڑ رہے تھے۔ اور ان گیارہ شیروں نے ان کے سینکڑوں آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ جو بھی ان کے سامنے پہنچ جاتا تھا وہ اسے مار ڈالتے تھے۔ اور ان میں سے اب تک ایک بھی نہ مر رہا تھا۔

یہ دیکھ دیکھ کر انہیں بڑا جوش اور غصہ آ رہا تھا۔ وہ طیش میں آ کر چلے کرتے تھے۔ مگر جو لوگ بھی حملہ کرنے بڑھتے تھے۔ انہیں واپس لوٹنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ مسلمانوں کی تلواریں انہیں ختم کر کے ڈال دیتی تھیں۔

ابن سعید بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے وہ ہر اس رومی کو مار ڈالتے تھے جو بڑھ کر ان پر حملہ کرتا تھا۔ انہوں نے پندرہ بیس آدمیوں کو مار مار کر اپنے سامنے ڈھیر لگایا تھا۔ اتفاق سے ایک سوار نے ان پر حملہ کیا انہوں نے اس کا وار ڈھال پر روک کر اس کے گھنے ڈھلور مار مار کر وہ آہ کر کے گھوڑے سے نیچے گرا۔ اس کے گرتے ہی انہوں نے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اسے اپنے قریب کھینچ کر جلدی سے اس پر سوار ہو گئے۔

اب ہمیں مسلمانوں کے پاس گھوڑے ہو گئے اور آٹھ اب بھی پیدل ہی رہے مگر انہوں نے ابن سعید کی ترکیب دیکھ لی۔ اب وہ بھی اس فکر میں لگ گئے کہ سواروں کو قتل کر کے گھوڑوں پر ہو جائیں۔

قیس سے ذرا فاصلہ پر ایک افسر کھڑا پیدل سپاہیوں کو جوش دل رہا تھا۔

قیس نے جوش میں آ کر اپنے سامنے ولے سپاہیوں کو قتل کر کے اس پر حملہ کر دیا۔

وہ کچھ ایسی تیزی سے چھٹ کر اس کے پاس پہنچے کہ افسر حیران ہو کر انہیں دیکھتا ہی رہ گیا انہوں نے اس کی حیرت سے فائدہ اٹھایا اور چھٹ کر اس پر حملہ کیا۔

وہ محو جہت ان کا حملہ نہ روک سکا اور قتل ہو کر گرا۔ اس کے گرتے ہی انہوں نے گھوڑا کھینچا اور زقند لگا کر اس پر سوار ہو گئے۔

ستائیس ہزار تھے اس لئے وہ انہیں چاروں طرف سے گھیر کر قتل کرنا چاہتے تھے اور اس وجہ سے ان پر بڑے شدید دباؤ سے چلے کر رہے تھے۔

مسلمانوں نے اپنا ایک مختصر سا حلقہ بنا لیا تھا۔ اپنی پشتیں حلقہ کے اندر کر لی تھیں۔ وہ لڑ رہے تھے موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ اگرچہ اس خوف سے کہ حلقہ ٹوٹ نہ جائے بڑھ بڑھ کر چلے نہ کرتے تھے مگر جو لوگ ان پر حملہ کرتے تھے وہ انہیں مار ڈالتے تھے۔

عیسائی جس قدر بھی جوش میں آ کر چلے کر رہے تھے اسی قدر تیزی سے قتل ہو رہے تھے۔ مسلمان مرنا تو درکنار زخمی نہ ہوتے تھے۔

یہ گیارہ کے گیارہ منتخب لوگ تھے وہ لوگ جو زندگی سے شہادت کی موت ہزار درجہ افضل و برتر خیال کرتے تھے۔ شہید ہونا ان کی عین تمنا تھی۔ انہوں نے اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں بہرہ کر دیا تھا۔ اور اس لئے وہ تہایت بے خوفی سے لڑ رہے تھے۔

لوٹنے لڑتے مزار کو پسینہ آ گیا اور وہ ان کے کپڑے ان کے جسم میں تیر کی طرح چھنے لگے۔ انہوں نے خالد سے کہا: ”کپڑے میرے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ بن گئے ہیں میں انہیں اتار ڈالوں تو اچھا ہے۔“

خالد نے مسکرا کر کہا: ”تم سے کپڑے پہن کر لڑا ہی کب جاتا ہے۔ پوچھتے کیا ہوتا مار ڈالو۔“

مزار: ”مگر یہ کم بخت عیسائی کپڑے اتارنے کا موقع ہی کب دیں گے۔“

ان کے ایک طرف خالد تھے اور دوسری طرف ابن سعید۔ ابن سعید نے کہا: ”تم نہایت

اطمینان سے کپڑے اتار لو۔ میں ایک عیسائی کو بھی تمہارے پاس نہ آنے دوں گا۔“

مزار نے ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: ”تمہارا شکریہ“

اب وہ کپڑے اتارنے لگے اور ایک طرف خالد اور دوسری طرف ابن سعید ان کی حفاظت

میں عیسائیوں پر حملہ کرنے لگے۔

عیسائیوں نے یہ دیکھ کر کہ مزار نے تلوار گھوڑے کی عیال کے پاس رکھ دی ہے اور

خود کپڑے اتارنے میں مشغول ہیں۔ چھٹ چھٹ کر ان پر حملے شروع کر دیئے۔

لیکن خالد اور ابن سعید ہر اس شخص کو مار ڈالتے تھے جو مزار پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

انتیسواں باب

عظیم الشان فتح

جب دروان کو قتل کر کے حضرت خالدؓ اور مزارؓ وغیرہ نے ٹیلہ پر نعرہ لگایا تھا۔ تو ابو عبیدہؓ اور مسلمانوں نے ان کے نعرہ کی آواز سن لی تھی۔

خالدؓ نے جب ابو عبیدہؓ کو علم دیا تھا تو یہ کہہ دیا تھا کہ جس وقت میں نعرہ لگاؤں تو مع تمام لشکر کے عیسائیوں پر حملہ کر دیتا۔

چنانچہ انھوں نے نعرہ کی آواز سنتے ہی تمام لشکر سے مخاطب ہو کر کہا: "شیران اسلام! دغا باز رومیوں نے مزدور خالدؓ اور مزارؓ وغیرہ کے ساتھ فریب کیا ہے۔ اب تمہیں ان کے مکہ کا جال توڑنے کے لئے ان پر حملہ کرنا چاہیے۔ مت خیال کر اس بات کا کہ تم تھوڑے ہو دشمن زیادہ ہیں ہمیشہ خدا نے مسلمانوں کی مدد کی ہے اور فتح یاب کرتا رہا ہے۔ انشاء اللہ اب بھی وہ ہمیں فتح دے گا۔ وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا"۔

یعنی ثابت قدم رہو اور مضبوطی کرو اور رملے رہو اور ڈرتے رہو۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں رست گاری دے! اسلامی شیر و لگا ہیں نیچے کر کے اور عیسائیوں پر اس طرح سے جاؤ تو جس طرح باز چڑیوں یا شیر اپنے شکار پر جاؤ ملتے ہیں۔ میرا یہ پیغام تمام افسروں تک پہنچا دو۔ چونکہ مسلمان بھی دور تک پھیلے ہوئے تھے اور ابو عبیدہؓ کی آواز تمام مسلمانوں تک نہ پہنچ سکی تھی اس لئے انھوں نے مسلمانوں سے کہہ دیا کہ وہ ان کا پیغام تمام مسلمانوں تک پہنچا دیں۔

ان کے پاس کھڑے ہونے والوں کے ان کی یہ کاروائی دیکھی اور پھر وہ ابن سبیہؓ کو دیکھ چکے تھے۔ اب ان میں سے ہر شخص سواروں کو مار مار کر گھوڑے لے لینے کی فکر کرنے لگا۔ چونکہ اب پیدلوں کے ساتھ سوار بھی لڑنے لگے تھے اس لئے ایک ایک کر کے تمام پیادہ مسلمانوں نے گھوڑے حاصل کر لئے۔

اب تک مسلمان ذرا اس وجہ سے اور بھی ایک جگہ جمے اور دبے ہوئے لڑ رہے تھے کہ وہ پیدل تھے۔ مگر جب کہ ان کے پاس گھوڑے ہو گئے۔ تو انھوں نے جوش میں آ کر حملے شروع کر دیئے اور ہر حملہ میں ہر شخص ایک ایک دودو عیسائیوں کو قتل کرنے لگا۔

یہ مسلمانوں کا ہی دل گردہ اور جرأت و ہمت تھی کہ وہ اتنے عظیم الشان لشکر کے بیچ میں گھرے ہوئے نہایت اطمینان اور بے خوفی سے جنگ کر رہے تھے۔

عیسائی اس قدر زیادہ تھے کہ اگر وہ مسلمانوں پر اپنے گھوڑے بھی دوڑا دیتے تو انھیں کچل کر رکھ دیتے۔ مگر مسلمانوں کا خدا حامی و مددگار تھا اور اس لئے وہ بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے بلکہ عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر شخص نے اتنے دشمنوں کو مار مار کر کڑا ل دیا تھا کہ ان کے گرد مردوں کا حصار قائم ہو گیا تھا اور ان مردوں کے اوپر سے گزر کر عیسائیوں کو مسلمانوں پر مسلمان کو عیسائیوں پر حملہ کرنا پڑتا تھا۔

جب کہ یہ لوگ لڑائی میں ہمہ تن مصروف تھے انھوں نے اللہ اکبر کے پرتو نعرہ کی آواز سنی۔ اس نعرہ سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے زمین لرز گئی ہو۔ عیسائی اور مسلمانوں دونوں نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔

انھیں مسلمانوں کا تمام لشکر گھوڑے دوڑائے آتا ہوا نظر آیا۔

جنگ روزِ محشر کا نمونہ بنا ہوا تھا۔

جنگ کی آگ نہایت خوفناک طریقہ پر مشتعل ہو گئی تھی۔ اور اس آگ میں انسان کٹ کٹ کر اور جل کر مر رہے تھے۔

سراور ہاتھ اچھل اچھل کر گر رہے تھے۔ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ لاشیں دھڑا دھڑ کر رہے تھے۔

مسلمان عیسائیوں میں اور عیسائی مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ صفوں کی ترتیب قائم دہائی نہ رہی تھی جو جہاں تھا وہیں لڑ رہا تھا۔

اگرچہ تمام مسلمانوں نے اس دقتِ حملہ کو دیا تھا۔ لیکن اب بھی وہ رومیوں سے تھائی سے بھی خم تھے۔ مگر جب کہ گیارہ مسلمانوں نے ہی ستا سی ہزار عیسائیوں کا مقابلہ عرصہ تک کیا تھا اور ان کے کشتروں کے پشتے لگا دیئے تھے اور ان میں سے ایک بھی مرنا زور کنار زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ کوئی ڈرا اور گھبرایا تھا۔ تو اب کیا کوئی ڈرتا اور کیا کوئی گھبراتا۔ اب تو صرف ایک مسلمان کے مقابلہ میں تین عیسائی تھے۔ اور یہ تعداد ان کے سامنے کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔

مسلمان بڑے جوش میں آ کر حملے کر رہے تھے اور ہر مسلمان قریب قریب ہر حملہ میں ایک د ایک عیسائی کو مار ڈالتا تھا۔

عیسائی بھی بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ نہایت شدت سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ لیکن حملے کرنا ان کے بس کی بات بھی اور وہ کر رہے تھے مگر مسلمانوں کو قتل کر ڈالتا ان کی طاقت میں نہ تھا۔ اور اس لئے مسلمان قتل نہ ہو رہے تھے بلکہ رومی جلد جلد مر کر گر رہے تھے خالدؓ، حزارؓ اور ابن سعیدؓ وغیرہ نے اپنا ایک گروہ بنالیا تھا۔ اب وہ بھی قائم نہ رہا تھا اور وہ بھی رومیوں کی صف میں گھس گئے تھے۔ اور جس کا رخ جس طرف ہو گیا تھا مارا مارا کاٹا بڑھتا چلا جا رہا تھا

ابن سعیدؓ نے اپنی ڈھال پشت کی طرف اٹھتے میں لے رکھی اور تلوار سے رومیوں پر حملے کر کے انہیں قتل کرتے بڑھ رہے تھے وہ جس صف پر حملہ کر دیتے تھے اسے الٹ دیتے تھے اور جس گروہ پر جاؤ تھے اسے درجہ بدرجہ کر دیتے تھے۔

دجوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کا ہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ عیسائیوں کو

چنانچہ پچاس ساٹھ مسلمان مختلف حصوں میں گھس گئے اور جو کچھ ابو عبیدہؓ نے کہا تھا وہ منانے لگے۔

اس عرصہ میں خالدؓ اور حزارؓ وغیرہ نے رومی لشکر پر جا کر حملہ کر دیا۔

جب تمام مسلمانوں تک ابو عبیدہؓ کا پیغام پہنچ گیا تو انہوں نے غلیم کو حرکت دی پھر بڑا ہوا میں لہرایا اور وہ چلے۔ ان کے چلتے ہی تمام اسلامی لشکر کو حرکت ہوئی اور ہر مسلمان جوش جہاد سے سرشار ہو کر بڑھا۔

ہر مسلمان کو جوش و طیش آ رہا تھا اور ہر مجاہد عیسائیوں سے لڑنے کے لئے بیتاب ہو رہا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ کسی قدر تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ مگر وہ اسی تیزی کو جوش و اضطراب کی ذہ سے سمجھ رہے تھے کہ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

سب سے آگے ابو عبیدہؓ تھے اور وہ اپنے گھوڑے کو پیٹھی دل کی لے جا رہے تھے ان کے گھوڑے کی رفتار پر تمام لشکر چل رہا تھا۔

آخر جب وہ رومی لشکر کے قریب پہنچے تو انہوں نے خالدؓ وغیرہ کو موت کی لڑائی میں مشغول پایا ابو عبیدہؓ نے حملہ کرتے سے پہلے تین نعرے لگائے۔ تیسرے نعرہ کی تکرار تمام لشکر نے کی یہی وہ نعرہ کی آواز تھی۔ جسے رومیوں اور خالدؓ وغیرہ نے سنا تھا اور نظریں اٹھا اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

اس تازہ دم لشکر نے تلواریں کھینچ کھینچ کر جوش و غضب میں آ کر حملے شروع کر دیئے۔

چونکہ مسلمان دور تک پھیلے ہوئے تھے اور عیسائی کی صفیں بھی ان کے محاذ میں پھیلتی چلی گئی تھیں اور فریقین جنگ میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس لئے جہاں سے جہاں تک نظر جاتی تھی۔ تلوار کا کھیت اگا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

صاف و شفاف تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر جھک رہی تھیں۔ اور اب موت کی گرم بازی شروع ہو گئی تھی جو شخص چند منٹ پہلے زندہ تھا اور لڑ رہا تھا وہ اب خود مردہ پڑا تھا۔ اور اس کی لاش پر سے گھوڑے گزر رہے تھے۔

ہر طرف شور و فساد آہ دہکا، غل غبارہ بلند ہو رہا تھا اور ان مختلف آوازوں سے میدان

مارتے کاٹتے پھر رہے تھے۔

انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور چاہتے یہ تھے کہ سارے لشکر کو خود ہی مار ڈالیں۔

وہ نہایت بے خوفی اور بڑی بے جگری سے موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ جس طرف ان کا رخ ہو جاتا تھا۔ رومیوں کی صفوں کے پرے کے پرے صاف کر دیتے تھے انہوں نے بیسیوں صفوں کو الٹ دیا تھا۔ اور سینکڑوں عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ ان کے پڑوں اور جسموں پر خون چڑ پڑ کر جم گیا تھا۔

ابو عبیدہ اگرچہ بڑھے تھے۔ یہ ایک ہاتھ میں علم اور ایک ہاتھ میں تلوار لئے لڑ رہے تھے نہایت خوف ناک لڑائی لڑ رہے تھے جس طرف حملہ کرتے تھے رومیوں کو کھیرے لکڑی کی طرح کاٹتے چلے جاتے تھے۔

ان کو اس طرح جنگ کرتے دیکھ کر عیسائیوں کو بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ ان کے خیال میں ایسے ضعیف الشخص کا اس طرح جنگ کرنا حیرت ناک بات تھی۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمان عورت ہو یا بچہ، جوان ہو یا بڑھا جب لڑنے پر آتا ہے تو زندگی کی پرواہ نہیں کرتا اور جو لوگ زندگی کی پرواہ نہیں کرتے ان کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم نہیں کر سکتی حقیقت میں مسلمان موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہر شخص نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ اور یہی چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ عیسائیوں کو مار ڈالے

عیسائی بھی متعدد بھر کوشش کر رہے تھے۔ لیکن نہ ان میں اس قدر جوش تھا جس قدر مسلمانوں میں تھا نہ اس قدر طاقت تھی۔ نہ اس قدر حوصلہ تھا۔ نہ ایسی اہل العزم تھی۔ اس لئے وہ اس طریقہ سے نہ لڑ رہے تھے جس طرح مسلمان لڑ رہے تھے۔

اور یہی وجہ ہے کہ وہ مر رہے تھے۔ اور مسلمان انہیں مار رہے تھے۔

مسلمانوں نے اپنی لمبی لمبی داڑھیاں دانتوں میں دبا رکھی تھیں اور جوش میں آ کر حملے کر رہے تھے انہوں نے دشمنوں کی لاشوں پر لاشیں ڈال دی تھیں اور جہاں تھاں مردوں کے ڈھیر لگا دیے تھے۔

خون اس کثرت سے بہنے لگا تھا کہ باوجود ریلی زمین ہونے کے گھوڑوں کے سم دھینے لگے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے تک تو رومی بڑے جوش و خروش سے مقابلہ کرتے یا لڑتے رہے لیکن اس کے بعد ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ حوصلے پست ہو گئے اور وہ دل شکستہ ہو کر ادھر ادھر جان پکاتے پھرنے لگے۔

مسلمانوں نے ان کی دونوں ہمتی دیکھ لی انہوں نے ہر محاذ پر پھیل کر حملہ کیا اور انہیں گھاٹ کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

رومی ان کے اس حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھاگے اور ہر طرف بھاگے جس کا جس طرف منہ اٹھا دوڑ پڑا۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور اس طرح سے قتل کیا کہ تمام راستے اور میدان کا سارا حصہ ان کی لاشوں سے پٹ گیا۔

جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی لاشوں پر لاشیں پڑی نظر آتی تھیں، خون کی ندیاں سوجیں مارتی دکھائی دیتی تھیں۔ بالآخر تھوڑی ہی دیر میں تمام میدان اور رومیوں کا کیمپ ان کے وجود سے پاک ہو گیا۔

عیسائی اپنی پچاس ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور اس طرح مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

اجنادین کے میدان میں آدل روز کی لڑائی میں تین ہزار عیسائی مارے گئے اور آخری جنگ میں پچاس ہزار سے کچھ زیادہ قتل ہوئے اور مسلمان پہلے دن صرف تیس شہید ہوئے اور آخری روز دوسو ستر شہید ہوئے۔

جب عیسائیوں سے اجنادین کا میدان صاف ہو گیا تو تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے اور عیسائیوں کے کیمپ کوٹنے کے لئے چلے۔

چونکہ عیسائی بڑی شان و شوکت سے آئے تھے۔ اس لئے ڈیرے، عیسے، ساٹھان سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے کپڑے، برتن، زیورات جو دایان ملک اور معزز سردار پہنتے تھے اور دوسری قیمتی قیمتی چیزیں لائے تھے۔

مسلمانوں نے ان کے کیمپ پر چھا پر مار کر تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ ہزاروں گھوڑے، ہزاروں نیسے، ہزاروں ساٹھان، چاندی کی کڑے بکتریں، سوتے چاندی کی زنجیریں، کیلے، صلیبیں، برتن، زیورات، سیم وزر، جواہرات، ریشمین کپڑے لاقعدا ہاتھ آئے۔

یہ تمام سامان لے کر مسلمان لوٹے اور اپنے لشکر کی طرف چلے۔ جب وہ اپنے کیمپ میں پہنچے تو آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ انھوں نے واپس جاتے ہی مغرب کی نماز پڑھی اور پھر کھانا تیار کرنے لگے۔ جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کی مرہم پٹی عورتوں نے کی اور ان کے لئے کھانا بھی وہی تیار کرتے گئیں۔

عشاء کی نماز پڑھ کر سب نے کھانا کھایا۔ اور چونکہ ہر شخص لڑائی میں مشقت اور محنت کرتا رہا تھا۔ اس لئے سویرے ہی سو گئے۔ شروع ہی رات سے اسلامی کیمپ پر سکوت و سکون چھا گیا تھا۔

رات بھر مسلمان تہایت آرام و اطمینان سے سوتے رہے۔ صبح کو اٹھ کر نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی خالدؓ نے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکال کر علیحدہ کر دیا اور باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم کرنے شروع کر دیے۔

ہر سرد، ہر عورت اور ہر بچہ کے حصہ میں اس قدر دولت آئی کہ وہ غنی ہو گئے۔ جب یہ تقسیم کی جا رہی تھی تب خالدؓ کو معلوم ہوا کہ ام ابان بھی رات آگئی ہیں انھیں بھی

معراج آرزو

جس خونریز جنگ کے واقعات ہم نے گذشتہ باب میں بیان کئے ہیں وہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ کو شنبہ (سینچر) کے روز واقع ہوئی تھی۔

اس جنگ میں رومیوں نے اپنی پوری قوت و شوکت کا مظاہرہ کیا تھا۔ نوے ہزار لشکر کئی بادشاہوں اور مشہور افسروں کی سرکردگی میں دردان کی زیر قیادت مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کے لئے بڑے عزم و ارادہ اور بڑے فخر اور غرور کے ساتھ آیا تھا۔

مگر وہ جانتے تھے کہ خدا جو کائنات کا خالق ہے۔ جو قادر مطلق ہے جس کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں مل سکتا۔ وہ قدرت رکھتا ہے کہ اکثریت کا خاتمہ اقلیت سے کرادے۔ ظالموں کا سر مقلوموں سے کچلوا دے۔

عیسائی خدا کو بھول بیٹھے تھے۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دے کر خدا کی وحدت کو شرک سے آلودہ کر دیا۔ خدا ان سے ناخوش ہو گیا تھا۔ اس لئے انھیں اجنادین کے میدان میں دولت و خوارگی سے شکست ہوئی۔ ان کے کئی دایان ملک مارے گئے۔ وروآن جس کی چالاک اور بہادری کی شہرت تھی بری طرح قتل ہوا۔

مسلمان جو خدا کو ایک مانتے تھے اور اس کی اعانت پر بھروسہ رکھتے اور صرف اس کی پرستش کرتے ہیں۔ باوجود کم اور کمزور ہونے کے فتح یاب ہوئے۔ نہایت شاندار فتح حاصل ہوئی اور ان کی دھماک نہ صرف عیسائیوں پر بلکہ دوسری قوموں پر بھی بیٹھ گئی اور دنیا مسلمانوں کے نام سے نرنے لگی۔

دونوں وہاں سے چل کر حضرت خالدؓ کے خیمے پر پہنچے۔ خالدؓ نہایت خوش اخلاق سے پیش آئے۔ جب دونوں بیٹھ گئے نبی خالدؓ نے کہا: ”مریس! میں اور تمام مسلمان تمہارے بہت زیادہ مشکور ہیں۔ تم نے ایک مسلم دشمن کو بدکار خبیثوں کے پنجے سے چھڑا کر تمام مسلمانوں پر زبردست احسان کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ تم کوئی اپنی آرزو ظاہر کرو اور ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں۔“

مریس: ”میں مسلمانوں کو ایسا نیک، خوش خلق، صادق الوعدہ اور مہمان نواز نہ سمجھتا ہوں۔ مجھ پر اور میرے بھائی پر آپ کی قوم کی ان باتوں کا بڑا اثر ہوا ہے۔ ہماری کوئی تمنا نہیں ہے۔ ہاں ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔“

خالدؓ: ”شوق سے پوچھو“

مریس: ”جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔“

خالدؓ: ”مسلمان ہر شخص کو جو مسلمان ہو جاتا ہے اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ مسلمان ہوتے ہی اسے مسلمانوں کے ساتھ کھانے، رہنے، نماز پڑھنے کا پورا پورا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اسلام میں مساوات ہے۔ ہر شخص جو مسلمان ہو جاتا ہے۔ اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں۔“

مریس: ”اچھا تو آپ ہم دونوں بھائیوں کو مسلمان کر لیں۔“

خالدؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے جلدی سے انہوں کو بلایا اور ان کے سامنے تمام حالات بیان کئے۔

مسلمان مریس کی بہادری سے بہت متاثر تھے۔ انھیں بڑی خوشی حاصل ہوئی اور انھوں نے خوش ہو کر اللہ کی کاغذ لگایا۔

دوپہر کا کھانا خالدؓ نے انھیں اپنے ساتھ کھلایا۔ کئی اور مسلمانوں نے بھی کھایا مریس اور اس کا بھائی دونوں نہایت خوش ہوئے۔

خالدؓ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مریس نے ام ابانؓ کو اپنی بہن بنا لیا ہے۔ اور انھوں نے اپنے حصہ کا مال غنیمت بھی انھیں ہی دے دیا ہے۔ یہ سن کر ان کے اور ان مسلمانوں کے جنہوں

حصہ دیا گیا اور ام ابانؓ نے جب یہ بتایا کہ کس طرح مریس کھوٹے سے لڑا اور اس نے انہیں رہا کرانے اور ان کی حفاظت کرنے میں کس قدر محنت کی تو خالدؓ نے مریس اور اس کے بھائی کو بھی مال غنیمت میں سے اسی قدر حصہ دیا جس قدر مسلمانوں کو دیا گیا تھا۔

مریس اور اس کا بھائی دونوں مسلمانوں کی اس مہربانی کے بہت مشکور ہوئے۔ مریس نے اسی وقت اپنا حصہ ام ابانؓ کو دے کر کہا: ”بہن ایک سہیلو بھائی کا ہر قبول کرو۔“

ام ابانؓ نے کہا: ”مگر بھائی کو بھی تو اس کی مزدورت ہوگی۔“

مریس: ”نہیں۔ مجھے یہ مزدورت ہے نہ ہوگی۔“

ام ابانؓ: ”جب تم میرے بھائی بن گئے ہو تو سارے مسلمانوں کے بھی بھائی کیوں نہیں بن جاتے“

مریس: ”میں سارے مسلمانوں کا بھائی کس طرح بن سکتا ہوں۔“

ام ابانؓ: ”مسلمان ہو جاؤ سب کے بھائی بن جاؤ گے۔“

مریس: ”عزیز! مجھ پر مسلمانوں کے اخلاق اور خدا پرستی کا گہرا اثر ہوا ہے۔ میں مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔“

ام ابانؓ: ”بس تو تم سپہ سالار کے پاس جا کر مسلمان ہو جاؤ۔“

مریس: ”بہت اچھا۔“

وہ وہاں سے چل کر اپنے بھائی کے پاس آیا۔ اس نے اس سے دریافت کیا۔ کہ وہ اب کیا ارادہ کرے؟

اس کے بھائی نے کہا: ”مریس بھائی! میں مسلمانوں کے پاس جا رہا ہوں۔ یہ قوم خدا پرست

ہے، ایک ہے، وحدہ پورا کرتی ہے۔ ایمان دار ہے، برائیوں سے بچتی ہے، اگر تم پسند کرو تو ہم

دونوں مسلمان ہو جائیں۔“

مریس: ”میں اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں اور میرے مسلمانوں کے پاس پہنچنے کا ارادہ ہے۔“

بھائی: ”تو پھر کیوں دیکر رہے ہو؟“

مریس: ”آؤ سپہ سالار کے پاس چلیں۔“

بھائی: ”چلو“

نے اس بات کو سنا دلوں میں ان کی بڑی عزت و توقیر ہو گئی۔

ام ابانؓ کے آنے کی خوشی تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہوئی تھی۔ وہ رات کو آئی تھیں اور رات ہی سے عورتوں کا تانا بان کے خیمے میں لگ گیا تھا۔ بڑی رات گئے تک عورتیں آکر پوچھتی رہیں آدھی رات کے بعد وہ سو رہیں۔

صبح اٹھ کر نماز پڑھی اور چونکہ مجاہدین میں صف بندی ہو گئی تھی۔ اس لئے سارا دن عورتوں کے ساتھ کھڑی رہ کر میدان جنگ کی طرف دیکھتی رہیں۔

جب مسلمانوں نے عیسائیوں کو شکست دے دی اور رات لوٹ آئے تب وہ اور لڑکیوں اور خواتین کے ساتھ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔

اگلے دن جب تمام کاموں سے فراغت ہو گئی تو وہ اپنے خیمہ میں بیٹھی تھیں کہ ابن سعیدؓ آگئے۔ انھوں نے دریافت کیا: ”کیا میں آسکتا ہوں؟“

ام ابانؓ نے ہوشربا شرف نگاہوں سے دیکھ کر کہا: ”کیا ضرورت لاحق ہو گئی آپ کو یہاں آنی کی؟“ ابن سعیدؓ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ”آپ کو آپ کی رہائی پر مبارک باد دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں“

ام ابانؓ نے مسکرا کر کہا: ”خوب مگر آپ تو بغیر اجازت ہی کے بڑے چلے آ رہے ہیں۔“

ابن سعیدؓ: ”جب کوئی اجازت ہی نہ دے تو کیا کرتا۔“

ام ابانؓ: ”یہ اجازت ہی کیوں طلب کی تھی۔“

اب ابن سعیدؓ ان کے پاس جا بیٹھے۔ ام ابانؓ نے پیچھے کھسکے ہوئے کہا۔

واہ وا۔ آپ تو بالکل ہی برابر آ بیٹھے۔ کس نے کہہ دیا تھا آپ سے بہ؟“

ابن سعیدؓ: ”میرے دل نے“

ام ابانؓ: ”خوب ہے آپ کا دل اور خوب ہیں آپ کا کہا ماننے والے۔“

ابن سعیدؓ: ”کہئے آپ وہاں اچھی طرح تو رہیں۔“

ام ابانؓ: ”جی نہایت اچھی طرح۔۔۔۔۔۔“

ابن سعیدؓ: ”میرا یہ مطلب نہیں ہے۔“

ام ابانؓ: ”اور کیا مطلب ہے آپ کا؟“

ابن سعیدؓ: ”یعنی کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“

ام ابانؓ: ”بالکل بھی نہیں“

ابن سعیدؓ: ”پھر وہی الٹی بات سمجھی آپ نے۔“

ام ابانؓ: ”اچھا تو سیدھی سمجھا دیجئے۔“

ابن سعیدؓ: ”میرا مطلب یہ ہے۔۔۔۔۔۔ کس طرح واضح کروں“

ام ابانؓ نے ہنس کر کہا: ”وہ واضح کرنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟“

ابن سعیدؓ: ”رسم دنیا۔۔۔۔۔ اور کیا کہوں“

ام ابانؓ کچھ حقا ہو گئیں۔ انھوں نے کہا۔ رسم دنیا کے لئے۔۔۔۔۔ خوب، فضول

تکلیف کی اس کے لئے آپ نے؟“

ابن سعیدؓ: ”پھر کوئی غلطی ہو گئی معلوم ہوتی ہے مجھ سے۔“

ام ابانؓ: ”جی نہیں“

ابن سعیدؓ: ”مگر میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں“

ام ابانؓ: ”بلکہ یہ کہئے کہ صحیح بات کہہ دی آپ نے۔“

ابن سعیدؓ: ”کیا سمجھا آپ نے؟“

ام ابانؓ: ”یہی دنیاوی رسم کی وجہ سے آپ خیریت دریافت کرنے آئے ہیں۔“

ابن سعیدؓ: ”اور مجھ سے غلطی بھی تو یہی ہو گئی ہے۔“

ام ابانؓ: ”اس میں غلطی کیا ہوئی؟“

ابن سعیدؓ: ”میں نے اپنا مطلب غلط طریقہ پر ادا کیا“

ام ابانؓ: ”اب اور کچھ بات بتاؤ گے۔“

ابن سعیدؓ: ”اگر مجھے باتیں بنانی آتیں تو تم ناخوش نہ ہوتیں۔ مشکل تو یہی ہے کہ

میں باتیں بنانی نہیں جانتا۔“

ام ابانؓ: ”اچھا تو معاف کیجئے۔“

خولہؓ نے ام ابانؓ سے مخاطب ہو کر کہا: ”انہوں نے تم سے وہاں کے حالات بھی پوچھے؟“
ابن سعیدؓ نے جلدی سے کہا: ”انہوں نے پوچھے ہی نہ دیئے۔“
خولہؓ نے مسکرا کر دریافت کیا: ”کیوں؟“

ابن سعیدؓ: جب بھی میں کچھ کہتا تھا یا نیزج ہی میں بول اٹھیں تھیں
خولہؓ: کیوں ام ابانؓ؟

ام ابانؓ نے شرمیلے لہجہ میں کہا: ”جی رسم دنیا کی وجہ سے پوچھنے آئے تھے۔“
خولہؓ نے استغاب کے انداز میں کہا: ”اچھا.....؟“

ابن سعیدؓ: مجھ سے غلطی تو یہی ہو گئی کہ کم بخت زبان سے یہ منحوس فقرہ نکل گیا۔ اب جب
ہی سے یہ بگڑ رہی ہیں۔

خولہؓ: تمہیں بھی ناخوش نہیں ہو چا چاہیے ام ابانؓ۔

ام ابانؓ نے ابن سعیدؓ کو شوخی بھری نظر سے دیکھا۔ ابن سعیدؓ دل پکڑ کر رہ گئے۔

ٹھیک اسی وقت ظہر کی اذان ہوئی ابن سعیدؓ نے اٹھتے ہوئے کہا: ”اذان ہو رہی ہے۔“
خولہؓ: ہاں نماز کے لئے جاؤ۔

ابن سعیدؓ چلے گئے۔ خولہؓ نے مسکرا کر کہا۔ ابن سعیدؓ نہایت سیدھے ہیں۔ انہیں پریشان نہ
نہ کیا کردام ابانؓ۔

ام ابانؓ نے شرمیلی نظروں سے خولہؓ کو دیکھا۔ خولہؓ مسکراتے لگیں۔ اب دونوں اٹھیں اور نماز
پڑھنے چلیں گئیں۔

خولہؓ نے اسی روز عزارؓ سے کہا۔ اور عزارؓ نے خالدؓ سے کہہ کر ابن سعیدؓ اور ام ابانؓ کے عقد
کی تاریخ مقرر کروادی۔

چونکہ شادی یا عقد بالکل اسلامی اصول پر ہونے والا تھا۔ اس لئے کوئی بھی تیاری
نہ کی جا رہی تھی۔

آج وہ سعید یوم بھی آگیا اور عصر اور مغرب کے درمیان دونوں کا عقد ہو گیا۔

عشا کی نماز پڑھ کر جب ابن سعیدؓ اپنے خیمہ میں گئے تو انہوں نے ام ابانؓ کو دہن بنے

ابن سعیدؓ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا: ”آخر تم مجھ سے ناخوش کیوں ہو جاتی ہو۔ ام ابانؓ؟“
ام ابانؓ کو ان پر رحم آگیا۔ انہوں نے کہا: ”آپ ایسی باتیں ہی کیوں کیا کرتے ہیں۔“
ابن سعیدؓ: میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے سامنے آکر میں سب کچھ بھول جاتا ہوں بات
نیک نہیں کر سکتا۔

ام ابانؓ: تو پھر آیا ہی کیوں کرتے ہو؟

ابن سعیدؓ: یہ کم بخت دل مجبور کر دیتا ہے۔

ام ابانؓ: ایسا دل بھی کس کام کا۔

ابن سعیدؓ نے نہایت سادگی کے انداز میں کہا: ”اس میرے دل سے تم اپنا دل بدل لو۔“

ام ابانؓ کو پھر ہنسی آگئی۔ انہوں نے کہا: ”دل بدلا جاسکتا ہے۔“

ابن سعیدؓ: میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔

ام ابانؓ: اور میں جانتی ہوں۔

ابن سعیدؓ: پھر کیا کروں میں؟

ایک آواز آئی: ”تم وہ کردہ جو تمہیں کرتا چاہیے۔“

دونوں نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ سامنے سے خولہؓ مسکراتی ہوئی آرہی تھیں انہیں

دیکھ کر دونوں شرمائے گئے۔ خصوصاً ام ابانؓ تو شرم سے سینہ پسینہ ہو گئیں۔

خولہؓ دونوں کے پاس آ بیٹھیں۔ انہوں نے کہا: ”بھائی ابانؓ (ابن سعیدؓ کا اصلی نام

ہے) آخر تم کیوں پریشان کر رہے ہو میری بہن کو؟“

ابن سعیدؓ اس کا کیا جواب دیتے وہ تو سر جھکائے دم بخود بیٹھے تھے۔

خولہؓ نے پھر کہا۔ ام ابانؓ تمہاری منگیتر ہیں۔ تم آج ہی سپہ سالار خالدؓ سے کہہ کر عقد

کی تاریخ مقرر کرو۔ پھر نہ یہ تمہیں متائیں گی نہ تم انہیں پریشان کر سکو گے۔“

ابن سعیدؓ: تدبیر تو آپ نے ٹھیک بتائی ہے۔

خولہؓ: تم کہو گے تو میں بھی بھائی جان سے کہہ کر تمہاری سفارش کرادوں گی۔

ابن سعیدؓ: جب تو میں بہت مشکور ہوں گا۔

بیٹھے دیکھا۔

آج ان کے خیمہ میں چند موسمی بتیاں روشن ہو رہی تھیں۔ اور ان کی روشنی سے تمام خیمہ

جگمگا رہا تھا۔

ابن سعید، ام ابانؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ اس وقت ام ابانؓ کے چہرہ پر نقاب تھا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے الٹ دیا۔ نقاب کے اٹنے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بادلوں کو چاک کر کے نکل آیا ہے۔ انھوں نے دیکھا اور دیکھتے ہی کچھ بے خود سے ہو گئے۔

ام ابانؓ نے جلدی سے پھر نقاب چہرہ پر ڈال لیا۔ اب ابن سعیدؓ کی محویت دور ہوئی۔ انھوں نے کہا: ”ہذا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دنیا ہی میں حور عطا کر دی ہے۔ ام ابانؓ نے نقاب سر کا کر کہا: ”کہیں پھر تو غلطی نہ کریں گے آپ؟“

یہ کہتے ہی وہ مسکرا کر لگے۔ ابن سعیدؓ ہنسنے لگے۔

یہ بھی دنیا کی مشہور اور عظیم ترین جنگوں میں سے ایک جنگ تھی۔ جس میں ہزارے مسلمانوں کو فتح یاب کیا۔ اور جو یادگار زمانہ ہو گئی۔

ختم شد